جلد ۲۰ — رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۶ھ / مئی / جون سنہ ۱۹۸۶ء — شمارہ ۹

* نگراں:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

* مدیر:

محمد تقی عثمانی

* ناظم:

فاروق القاسمی ایم اے (عثمانیہ)

سالانہ بدل اشتراک: بیرون ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک ورجسٹری

ریاست ہائے متحدہ امریکہ /۲۱۰ روپے ● برطانیہ۔ جنوبی افریقہ۔ ویسٹ انڈیز۔ برما۔ انڈیا۔ بنگلہ دیش۔ تھائی لینڈ۔ ہانگ کانگ

نائیجیریا۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ /۱۶۰ روپے ● سعودی عرب۔ عرب امارات۔ مسقط۔ بحرین۔ عراق۔ ایران۔ مصر۔ کویت / ۱۳۰ روپے

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴ فون نمبر: ۳۱۱۲۱۷

پبلیشر: محمد تقی عثمانی۔ دارالعلوم کراچی ۱۴ پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس کراچی

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر و فکر

مصر اور الجزائر میں چند روز

(تیسری قسط)

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اُس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

دوبارہ قاہرہ میں

دو روز الجزائر العاصمہ میں گذارنے کے بعد شوال ۱۴۰۶ھ کی صبح کو سات بجے البحرین ایئرلائن کے طیارے میں سوار ہوئے، طیارہ چار گھنٹے شمالی افریقہ کے ساحلی علاقوں پر پرواز کرتا ہوا مصری وقت کے مطابق بارہ بجے کے قریب قاہرہ پہنچا، قاہرہ پہنچنے سے پہلے طیارے سے نہر سوئیز اور اہرام مصر صاف نظر آئے۔

پاکستانی سفارت خانے کے کچھ حضرات ایئرپورٹ پر استقبال کے لیے پہنچ گئے تھے، اس لیے بحمد للہ ہوائی اڈے کے مراحل بہ آسانی طے ہوگئے، اترنے کے بعد سب سے پہلی فکر یہ تھی کہ کسی طرح نمازِ جمعہ مل جائے، لیکن ہوائی اڈے سے باہر نکلنے کے بعد معلوم ہوا کہ نماز ختم ہوچکی ہے، یہاں سعودی عرب وغیرہ کی طرح قاعدہ یہ ہے کہ نمازِ جمعہ زوال کے فوراً بعد پڑھ لیتے ہیں، اور شہر بھر کی تمام مساجد میں تقریباً ایک ہی وقت جمعہ ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر کسی ایک مسجد میں جمعہ نہ ملے تو پھر کہیں نہیں مل سکتا۔ لہٰذا ظہر پڑھے بغیر چارہ نہیں تھا۔

اس مرتبہ قیام رامسیس ہلٹن میں ہوا، یہ چھبیس منزلہ ہوٹل شہر کے وسط میں میدان التحریر کے قریب اور دریائے نیل کے کنارے واقع ہے۔ میرا قیام چوتھی منزل پر تھا، کمرے کا ایک دروازہ ایک چھوٹے سے برآمدے میں کھلتا تھا، اور اس برآمدے سے دریائے نیل کا منظر بالکل سامنے تھا جہاں ہر وقت کشتی رانی کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور اس کے پیچھے برج القاہرہ کی اسّی منزلہ عمارت اور قاہرہ کی دیگر سربفلک عمارتیں دور تک پھیلی نظر آتی تھیں۔

اگرچہ مصر میں پاکستان کے سفیر جناب راجہ ظفر الحق صاحب نے مجھے پیشکش کردی تھی کہ وہ قاہرہ میں راہنمائی کے لیے سفارت خانے کے کسی افسر کو میرے ساتھ کردیں گے، لیکن چونکہ احقر کے پیشِ نظر

جو کام تھے، ان میں کسی صاحبِ ذوق مقامی عالم کی ضرورت تھی، دوسری طرف بحمداللہ مصر کے متعدد اہلِ علم سے تعارف تو ہے، لیکن اس کام کے لیے بے تکلفی کی بھی ضرورت تھی، جس کے بغیر کسی سے مدد کیلئے کہنا بھی دل کو گوارا نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ہمارے محترم دوست ڈاکٹر حسن عبداللطیف شافعی جو جامعہ القاہرہ کے کلیۂ دارالعلوم کے پروفیسر اور اسلام آباد کی جامعہ اسلامیہ کے نائب صدر ہیں، ان دنوں قاہرہ ہی میں تھے، الجزائر جاتے ہوئے جب میں قاہرہ میں ٹھہرا تو وہ شہر سے باہر تھے اس لیے اُن سے ملاقات نہ ہوسکی تھی، لیکن میں نے اپنا واپسی کا پروگرام اُنہیں بتادیا تھا، چنانچہ وہ احقر کی واپسی کے منتظر تھے، اور عصر کے قریب وہ ہوٹل تشریف لے آئے، اور اللہ تعالیٰ اُنہیں جزائے خیر عطا فرمائیں کہ وہ اس کے بعد میری قاہرہ سے روانگی تک مسلسل دل وجان سے میرے ساتھ ہی رہے، اور اُن کی رفاقت میں قاہرہ کا قیام نہایت خوشگوار، مفید اور دلچسپ رہا۔

نمازِ عصر کے بعد میں ان کے ساتھ قاہرہ کے اہم تاریخی مقامات دیکھنے کے لیے گیا،

روضہ اور اس کی فتح کا واقعہ

سب سے پہلے ہم روضہ پہنچے جو قاہرہ کا بڑا تاریخی محلّہ تھا، مصر کی فتح سے پہلے، بلکہ بعد بھی اخشیدیوں کے زمانے تک یہ جگہ "جزیرۃ مصر" کہلاتی تھی۔ کیونکہ یہ دریائے نیل کے درمیان واقع ہے، اس کے ایک طرف قاہرہ تھا، اور دوسری طرف جیزہ جس میں اہرام مصر واقع ہیں، جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو قبطی بادشاہ مقوقس نے قلعہ سے نکل کر اسی جزیرے کے قلعے میں پناہ لی تھی، اور اُس تک پہنچنے کے لیے دریائے نیل پر جو پُل بنا ہوا تھا، وہ توڑ دیا تھا، تاکہ مسلمان دریا عبور کرکے جزیرہ تک نہ پہنچ سکیں، دوسری طرف اُس نے قیصرِ روم سے مدد طلب کی تھی کہ وہ مسلمانوں کے عقب سے اُن پر حملہ کردے۔

ان حالات میں مقوقس نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کے پاس اپنے ایلچیوں کے پاس خط بھیجا کہ تم ایک طرف دریائے نیل اور دوسری طرف رومی فوجوں کے درمیان گھر چکے ہو، تمہاری تعداد بھی کم ہے اور اب تمہاری حیثیت ہمارے ہاتھوں میں قیدیوں کی سی ہے، لہٰذا اگر خیریت چاہتے ہو تو صلح کی بات چیت کیلئے اپنے کچھ آدمی میرے پاس بھیج دو۔

جب حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس یہ ایلچی پہنچے تو انہوں نے فوراً کوئی جواب دینے کے بجائے انہیں دو دن دو رات اپنے پاس مہمان رکھا، مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے شب و روز کے معمولات اور اُنکے جذبات و خیالات سے اچھی طرح واقف ہوجائیں، دوسری طرف جب ایلچیوں کو دیر ہوئی تو مقوقس کو خطرہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ ایلچیوں کو قتل کرنا جائز نہ سمجھتے ہوں، لیکن دو روز کے بعد ایلچی حضرت عمرو بن عاصؓ کا یہ

پیغام لے کر پہنچ گئے کہ ہماری طرف سے اُنہیں تین باتوں کے علاوہ کوئی چوتھی بات قابلِ قبول نہ ہوگی۔
(یعنی اسلام، جزیہ یا جنگ) جو ہم پہلے بھی آپ کو بتا چکے ہیں۔

پیغام وصول کرنے کے بعد مقوقس نے ایلچیوں سے پوچھا کہ تم نے ان مسلمانوں کو کیسے پایا؟
اس کے جواب میں ایلچیوں نے کہا:۔

رأينا قوما الموت أحب إلى أحدهم من الحياة ، والتواضع أحب إليهم من الرفعة ، ليس لاحدهم فى الدنيا رغبة ولا نهمة ، وإنما جلوسهم التراب ، وأكلهم على رُكبهم ، وأميرهم كواحد منهم ، ما يعرف رفيعهم من وضيعهم ، ولا السيد من العبد ، وإذ حضرت الصلاة لم يتخلف عنها منهم احد ، يغسلون اطرافهم بالماء ، ويخشعون فى صلاتهم[1]

"ہم نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے جس کے ہر فرد کو موت زندگی سے زیادہ محبوب ہے، وہ لوگ تواضع اور انکسار کو ٹھاٹ باٹ سے زیادہ پسند کرتے ہیں، ان میں سے کسی کے دل میں ـــــــ دنیا کی طرف رغبت یا اسکی حرص نہیں ہے، وہ زمین پر بیٹھتے ہیں اور گھٹنوں کے بل بیٹھکر کھاتے ہیں، اُن کا امیر اُن کے ایک عام آدمی کی طرح ہے، انکے درمیان اُونچے اور نچلے درجے کے آدمی پہچانے نہیں جاتے، نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون؟ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ان میں سے کوئی پیچھے نہیں رہتا، وہ اپنے اعضاء کو پانی سے دھوتے ہیں اور نماز بڑے خشوع سے پڑھتے ہیں"

کہتے ہیں کہ مقوقس نے یہ سُن کر کہدیا تھا کہ "ان لوگوں کے سامنے پہاڑ بھی آجائیں گے تو یہ اُنہیں ٹلا کر رہیں گے، ان سے کوئی نہیں لڑسکتا" بالآخر باہمی پیغامات کے تبادلے کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضؓ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دس افراد کی ایک سفارش مقوقس کے پاس بھیجی، مقوقس نے ان کو بھی روپے پیسے کا لالچ دینے کی کوشش کی، اور انکی معاشی تنگ حالی کے حوالے سے یہ یقین دلانا چاہا کہ اسکی پیشکش کو قبول کر کے مسلمان خوشحال ہو جائیں گے، لیکن اسکے جواب میں حضرت عبادہ بن صامت رضؓ نے جو عجیب و غریب تقریر فرمائی وہ صحابۂ کرام رضؓ کے ایمان و یقین، انکے آہنی عزم و ثبات دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی فکر اور شوقِ شہادت کی بڑی اثر انگیز تصویر ہے، اس تصویر کے کچھ حصے یہ ہیں:۔

ليس غزونا عدوا ممن حارب الله لرغبة فى الدنيا ، ولا حاجة للاستكثار منها .... وما يبالى أحدنا أكان له قنطار من ذهب ، أم كان

---

[1] النجوم الزاهرة ، لابن تغرى بردى ص ۱۱ ج ۱ ۔

لا یملک الا درهما ، لأن غایة أحدنا من الدنیا أکلة یاکلها، یسدّ بها جوعته، لیلته ونهاره ، وشملة یلتحفها، وان کان احدنا لا یملک إلا ذلک کفاه، وان کان له تنطار من ذهب أنفقه فی طاعته الله واقتصر علی هذا الذی بیده ، ویبلغه ما کان فی الدنیا ، لأن نعیم الدنیا لیس بنعیم ، ورخاءها لیس برخاء ، انما النعیم والرخاء فی الآخرة ، بذلک أمرنا الله وامرنا به نبینا ، وعهد إلینا الا تکون همة أحدنا فی الدنیا الا ما یمسک جوعته ، ویستر عورته ، وتکون همته وشغله فی رضاء ربه ، وجهاد عدوه ....

.... أمّا ما تخوّفنا به من جمع الروم وعددهم وکثرهم ، وأنّا لا نقوی علیهم ، فلعمری ! ما هذا بالذی تخوّفنا به ، ولا بالذی یکسرنا عما نحن فیه ، ان کان ما قلتم حقا فذلک والله ارغب ما یکون فی قتالهم ، واشدّ لحرصنا علیهم ، لان ذلک أعذرلنا عند الله إذا قدمنا علیه إن قتلنا عن آخرنا کان أمکن لنا من رضوانه وجنته ، وما من شیی أقرّ لأعیننا ولا احبّ إلینا من ذلک .... وما منّا رجل إلا وهو یدعو ربه صباحا ومساء أن یرزقه الشهادة ، وألا یردّه إلی بلده ، ولا إلی أرضه ، ولا إلی أهله وولده ، ولیس لأحد منّا هم فیما خلفه ، وقد استودع کل واحد منّا ربه اهله ، وولده ، وانما همنا ما أمامنا ۔

واما قولک إنا فی ضیق وشدّة من معاشنا وحالنا ، فنحن فی أوسع السعة لو کانت الدنیا کلها لنا ما اردنا منها لانفسنا أکثر مما نحن فیه ، فانظر الذی ترید ، فبیّنه لنا ، فلیس بیننا وبینک خصلة نقبلها منک ، ولا نجیبک إلیها إلا خصلة من ثلاث ! فاختر أیتها شئت ، ولا تُطمع نفسک بالباطل ، بذلک أمرنی الأمین وبها أمره أمیر المؤمنین، وهو عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم من قبله إلینا ۔

اللہ کے دشمنوں سے ہماری لڑائی اس بنا پر نہیں ہے کہ ہمیں دنیا کی رغبت ہے ، یا ہم زیادہ دنیا سمیٹنا چاہتے ہیں ...... ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے کسی شخص کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے پاس سونے کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں ، یا اسکی ملکیت میں ایک درہم کے سوا کچھ نہیں ، اس لیے کہ ہم میں سے ہر شخص کو دنیا کی جو زیادہ سے زیادہ جو مقدار درکار ہے ، وہ بس اتنا کھانا ہے جس سے وہ صبح وشام اپنی بھوک

مٹا سکے ، اور ایک چادر ہے جسے لپیٹ سکے ، اگر ہم میں سے کسی کو اس سے زائد دنیا نہ ملے تو بھی اس کیلئے کافی ہے ، اور اگر اسے سونے کا کوئی ڈھیر مل بھی جائے تو وہ اسے اللہ کی طاعت ہی میں خرچ کرے گا ، .... کیونکہ دنیا کی نعمتیں حقیقی نعمتیں نہیں ، اور نہ دنیا کی خوشحالی حقیقی خوشحالی ہے ، نعمتیں اور خوشحالی تو آخرت میں ہونگی ، اسی بات کا ہمیں اللہ نے حکم دیا ہے ، یہی بات ہمیں ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سکھائی ہے ، اور ہمیں یہ نصیحت کی ہے کہ ہم دنیا کی اس سے زیادہ فکر میں نہ پڑیں کہ ہماری بھوک مٹ جائے اور ستر پوشی ہو جائے ، باقی ہماری اصل فکر اور دُھن اپنے رب کو راضی کرنے اور اُسکے دشمنوں سے جہاد کرنے کی ہونی چاہیئے ......

.... اور یہ جو آپ نے ہمیں ڈرانے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے مقابلے کے لیے رومی فوجیں اکٹھی ہو رہی ہیں ، اور اُنکی تعداد بہت زیادہ ہے اور ہم میں انکے مقابلے کی طاقت نہیں ہے ، تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ چیز ہمیں ڈرانے والی نہیں ہے ، اور نہ اس سے ہمارے حوصلے ٹوٹ سکتے ہیں ۔ اگر آپ کی یہ بات واقعی درست ہے (کہ روم کا بڑا لشکر ہمارے مقابلے کے لیے آرہا ہے) تو خدا کی قسم اس خبر سے ہمارے شوقِ جہاد میں اور اضافہ ہو گیا ہے ، اس لیے کہ اگر ہمارا مقابلہ اتنے بڑے لشکر سے ہوا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری جواب دہی اور آسان ہو جائے گی ، اور اگر ہم میں سے ایک ایک فرد اُن کا مقابلہ کرتا ہوا قتل ہو گیا تو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اسکی جنت کا امکان اور مضبوط ہو جائے گا ، اور ہمارے لیے کوئی بات اس سے زیادہ محبوب اور آنکھیں ٹھنڈی کرنے والی نہیں ہو سکتی .... ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص صبح و شام یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے شہادت نصیب فرمائے ، اور اسے اپنے شہر ، اپنی زمین اور اپنے اہل و عیال کے پاس واپس نہ جانا پڑے ، ہم لوگ اپنے وطن میں جو کچھ چھوڑ کر آئے ہیں ، ہمیں اسکی فکر نہیں ، کیونکہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اہل و عیال کو اپنے پروردگار کی امان میں دے کر آیا ہے ، ہماری فکر تو اپنے آگے پیش آنے والے حالات کے متعلق ہے ۔

رہا آپ کا یہ کہنا کہ ہم اپنے معاشی حالات کے لحاظ سے تنگی اور شدت کی زندگی گذار رہے ہیں ، تو آپ یقین رکھیں کہ ہم اتنی وسعت اور فراخی میں ہیں جس کے برابر کوئی وسعت نہیں ہو سکتی ، اگر ساری دنیا ہماری ملکیت میں آجائے تب بھی ہم اپنے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں رکھنا چاہتے جتنا اس وقت ہمارے پاس ہے ۔

لہٰذا اب آپ اپنے معاملے پر غور کر کے ہمیں بتا دیجئے کہ ہماری پیش کی ہوئی تین باتوں میں سے کون سی بات آپ پسند کرتے ہیں ، جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تین

باتوں کے علاوہ کسی اور بات پر نہ کبھی راضی ہوں گے، نہ اس کے سوا آپ کی کوئی بات قبول کریں گے، بس آپ ان تین چیزوں میں سے کسی چیز کو اختیار کر لیجئے، اور ناحق باتوں کی طمع چھوڑ دیجئے، یہی میرے امیر کا حکم ہے، اسی بات کا حکم انہیں ہمارے امیرالمؤمنین (حضرت عمرؓ) نے دیا ہے، اور یہی وہ عہد ہے جو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں عطا فرمایا تھا۔ [1]"

اس کے بعد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان تین باتوں کی تشریح فرمائی، دینِ اسلام کا مفصل تعارف کرایا، اور مسلمان ہونے کے نتائج واضح فرمائے۔ مقوقس حضرت عبادہؓ کی باتیں سننے کے بعد جزیہ کی طرف مائل ہونے لگا تھا، لیکن اس کے ساتھیوں نے بات نہ مانی۔ بالآخر جنگ ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

بہرصورت یہ جزیرہ اس طرح فتح ہوا، پھر یہاں مسلمانوں نے بحری جہاز بنانے کا ایک کارخانہ لگالیا تھا اس لیے اس کو "جزیرۃ الصناعہ" بھی کہا جانے لگا، یہ کارخانہ مصر میں جہاز سازی کا پہلا کارخانہ تھا جو ۵۴ھ میں بنایا گیا۔ بعد میں اخشیدیوں کے دور میں یہاں ایک باغ لگا کر اُسے ایک تفریح گاہ بنا دیا گیا، اس لیے اُسے روضہ کہا جانے لگا، جو عربی میں باغ کو کہتے ہیں [2]۔ بعد میں یہاں بہت سے تغیرات آتے رہے، اور یہ قاہرہ کا ایک محلّہ بن گیا۔ اور میرے رہنما ڈاکٹر حسن الشافعی نے بتایا کہ یہاں اہلِ علم میں یہ بات مشہور ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام بھی اسی محلّے میں تھا۔

سور العیون

روضہ سے نکلے تو ہم سور العیون کے قریب سے گذرے، یہ ایک فصیل نما دیوار ہے جو دریائے نیل سے نکل کر مشرق میں قلعۂ صلاح الدین تک گئی ہے، یہ دیوار سلطان صلاح الدین ایوبی نے بنائی تھی، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ نیل کا تازہ پانی اسکے ذریعہ قلعہ تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ نیل کے کنارے رہٹ لگائے گئے تھے جن کے ذریعہ دریا کا پانی اس دیوار پر چڑھایا جاتا اور دیوار کے اوپر ایک نہر بنائی گئی تھی جس کے ذریعہ یہ پانی قلعہ تک پہنچایا جاتا اب آب رسانی کا یہ سلسلہ تو ختم ہوگیا، لیکن دیوار اب تک باقی چلی آتی ہے، اور اسے سور العیون (چشموں کی فصیل) کہا جاتا ہے۔

---

[1] النجوم الزاهرة ص ۱۳ تا ۱۵ ج ۱

[2] روضہ کی پوری تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو حسن المحاضرة للسیوطیؒ ص ۲۲۱ تا ۲۲۸ ج ۲

سلطان صلاح الدین کا قلعہ

اس سور العیون کے ساتھ ساتھ چلیں تو یہ جس قلعے پر جاکر ختم ہوتی ہے، وہ ایک قلعہ ہے جو سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۷۲ھ میں بنایا تھا، اور اس کو اپنی رہائش گاہ کے طور پر اختیار کیا تھا، یہ قلعہ چونکہ ایک پہاڑی پر واقع ہے، اس لیے قدیم عربی کتب میں اس کا ذکر " قلعۃ الجبل " کے نام سے ملتا ہے۔ اسکی فصیل کی پیمائش ستائیس ہزار تین سو ذراع ذکر کی گئی ہے[1] عرصہ دراز تک یہ قلعہ مصر کے دار الحکومت کے طور پر استعمال ہوتا رہا، سرکاری دفاتر اسی قلعے میں واقع تھے۔ بعد میں محمد علی پاشا نے یہاں ایک شاندار جامع مسجد اور دوسری عمارتیں بنائیں اور یہ قلعہ فوجی چھاؤنی کے طور پر استعمال ہوتا رہا، اب اسے سیاحوں کے لیے کھول بھی دیا گیا ہے۔

جبل المقطّم

سلطان صلاح الدینؒ کا یہ قلعہ جس پہاڑی پر واقع ہے، وہ ایک پہاڑ کا ٹکڑا ہے جسے "جبل المقطّم" کہا جاتا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقدس پہاڑ ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اسکے دامن میں عبادت کیا کرتے تھے[2] اس کے علاوہ بعض تاریخی روایات میں حضرت لیث بن سعدؒ سے یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عمرو بن عاصؓ نے یہ علاقہ فتح کیا تو مصر کے سابق بادشاہ مقوقس نے یہ پہاڑ ستر ہزار دینار میں خریدنے کی پیشکش کی، اور وجہ یہ بتائی کہ ہماری کتابوں میں اس پہاڑ کے بڑے فضائل مذکور ہیں، اور یہ لکھا ہے کہ اس پہاڑ پر جنت کے درخت اُگیں گے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے بذریعہ خط حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "مسلمان جنت کے درخت کے زیادہ حق دار ہیں، اس لیے یہاں مسلمانوں کا قبرستان بنا دو" چنانچہ اسے قبرستان بنا دیا گیا[3] لیکن یہ روایت استناد کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

امام شافعیؒ کے مزار پر

ان تمام مقامات سے ہوتے ہوئے بالآخر ہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے، یہ پورا محلہ حضرت امامؒ ہی کے نام پر " حارۃ الشافعیؒ " کہلاتا ہے، اور یہاں حضرت امام شافعیؒ کے مزار پر بڑی شاندار عمارت بنی ہوئی ہے جسکے ساتھ ایک بڑی مسجد بھی ہے، ہم نے نمازِ مغرب اسی مسجد میں ادا کی، اور اس کے بعد مزار پر حاضر ہوئے، ہم جیسے طالبعلموں کو دن رات حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اور آپ کی فقہی

---

[1] النجوم الزاهرة ص ۵۴ ج ۶ احوال ۵۶۷ھ [2] الخطط المقريزية ص ۲۲۰ ج ۲

[3] الخطط المقريزية ص ۲۲۰ ج ۲ وحسن المحاضرة ص ۶۷ ج ۱

آراء سے جس قدر واسطہ رہتا ہے، اسکی بناء پر آپ سے عقیدت و محبّت اور تعلق خاطر ایک طبعی امر ہے، عرصہ سے آپ کے مزارِ مبارک پر حاضری کا اشتیاق بھی تھا جو بحمداللہ آج پورا ہوا۔ مزار کے مواجہہ میں کچھ دیر بیٹھ کر سرور و سکون کا ایک عجیب عالم رہا، یہ اُس فقیہ امّت کا مزار تھا جسکی رہنمائی اور ہدایت سے کروڑوں مسلمان فیض یاب ہوئے، اور ہو رہے ہیں، جنکی فقہ نے حنفی فقہ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ رواج پایا، اور جنکے مقلدین چار دانگِ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آپ یمن کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے جو نسبی اعتبار سے تو سادات میں سے تھا، لیکن معاشی اعتبار سے غریب تھا، والد ماجد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ چکا تھا، بچپن ہی میں آپ کی والدہ آپ کو مکہ مکرمہ لے آئیں، یہیں آپ پروان چڑھے، اور علوم حاصل کئے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور ان سے بھرپور استفادہ کیا، پھر نجران میں آپ کو ایک سرکاری عہدہ ملا، اور وہاں عرصہ دراز تک پوری دیانت و امانت کے ساتھ مفوضہ خدمات انجام دیتے رہے، لیکن بڑے لوگوں کے ساتھ آزمائشیں بھی زبردست پیش آتی ہیں۔ خلیفہ وقت (ہارون الرشید) کو یمن کے کچھ علوی النسب افراد کے بارے میں یہ اطلاع ملی کہ وہ مرکز کے خلاف بغاوت کی تیاری کر رہے ہیں، نجران کے والی نے دشمنی میں آکر حضرت امام شافعیؒ کے بارے میں بھی یہ افواہ پھیلادی کہ انکا ان علوی افراد کے ساتھ ربط ضبط ہے، خلیفہ کو ان پر شبہ ہوگیا، اور اس نے ان افراد کے ساتھ امام شافعیؒ کو بھی گرفتار کرکے بغداد بُلالیا۔

اس وقت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد حضرت امام بن حسن شیبانیؒ کا ہارون رشید کے دربار میں خاصا اثر ورسوخ تھا، امام شافعیؒ جب ہارون رشید کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے دفاع میں امام محمدؒ کا حوالہ دیا کہ وہ مجھے جانتے ہیں، ہارون رشید نے امامؒ سے اُنکے بارے میں معلومات کیں تو امام محمدؒ نے بتایا کہ "میں انہیں جانتا ہوں، وہ بڑے عالم ہیں، اور انکی طرف جن باتوں کی نسبت کی گئی ہے وہ ان جیسے آدمی سے سرزد نہیں ہوسکتیں اس پر ہارون رشید نے امام محمدؒ سے کہا کہ "انہیں اپنے ساتھ لے جائیے، تاآنکہ میں انکے بارے میں غور کرسکوں،" اس طرح جتنے لوگ بغاوت کے الزام میں یمن سے لائے گئے تھے، ان میں سے صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بچ سکے۔

یہ واقعہ ۱۸۴ھ کا ہے، جب امام شافعیؒ کی عمر ۳۴ سال تھی۔ اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں تھیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نجران کے سرکاری عہدے کے کاموں میں مشغول ہوگئے تھے، اس واقعے کی بدولت انہیں دوبارہ خالص علم کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا۔ دوسرے امام محمدؒ سے اب تک صرف شناسائی ہی تھی، اب وہ باقاعدہ اُنکے حلقۂ درس میں شامل ہوئے، اور اُن کے ذریعہ اہلِ عراق کا علم اُنکی طرف منتقل ہوا۔ اور اس طرح امام شافعیؒ کو اہلِ حجاز اور اہلِ عراق دونوں کے علوم حاصل ہوئے۔

امام محمدؒ امام شافعیؒ کی اتنی عزت فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ امام محمدؒ گھوڑے پر سوار ہوکر خلیفہ کے پاس جارہے تھے، راستے میں دیکھا کہ امام شافعیؒ ان سے ملنے کے لیے آرہے ہیں، یہ دیکھکر امام محمدؒ گھوڑے سے اُتر گئے،

اور اپنے غلام سے کہا کہ "خلیفہ سے جاکر عذر کردو" امام شافعیؒ نے کہا بھی کہ "میں پھر کسی وقت آجاؤں گا" لیکن امام محمدؒ راضی نہ ہوئے، اور انہیں ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف واپس ہوگئے۔

اس طرح تقریباً دو سال بغداد میں رہے اور امام محمدؒ سے استفادہ کے بعد امام شافعیؒ پھر مکہ مکرمہ واپس ہوئے، اور نو سال وہاں مقیم رہے، اسی دوران انہوں نے اصول تدوین پر سوچنا شروع کیا، پھر ۱۹۵ھ میں دوبارہ بغداد تشریف لے گئے، اور وہاں اپنی کتاب "الرسالہ" تالیف فرمائی، اور پھر آخر حیات میں مصر کے حکمران کی دعوت پر مصر تشریف لائے اور بالآخر رجب ۲۰۴ھ میں یہیں پر وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام شافعیؒ کو خصوصی مواہب سے نواز تھا، آپ نے سات سال کی عمر میں پورا قرآن شریف حفظ کرلیا تھا، اور دس سال کی عمر میں پوری موطا امام مالکؒ یاد کرلی تھی[1]۔ تیر اندازی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ اگر میں دس تیر ماروں تو دس کے دس ٹھیک نشانے پر لگیں گے۔ قرآن کریم پڑھنے کا انداز اس قدر سحر آفریں تھا کہ سننے والوں پر رقت طاری ہوجاتی تھی، خطیب بغدادیؒ نے امام شافعیؒ کے کسی ہم عصر کا قول نقل کیا ہے کہ "جب کبھی ہم رونا چاہتے تو ایک دوسرے سے کہتے کہ آؤ، اس مطلبی نوجوان کے پاس چلکر تلاوت کریں، جب ہم انکے پاس پہنچتے اور وہ خود تلاوت شروع کردیتے تو لوگ انکے سامنے گرنے لگتے، روتے روتے ان کی چیخیں نکل جاتیں، اس وقت وہ تلاوت روکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ اعلیٰ درجے کی قوت بیان بھی عطا فرمائی تھی، اس لیے اپنے عہد کے بڑے بڑے علماء سے انہوں نے علمی مسائل میں مناظرے فرمائے، بعض مناظروں کا حال خود "کتاب الام" میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ لیکن اخلاص کا عالم یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں:-

> ما ناظرت احداً، فأحببت أن أخطئ[2]
>
> میں نے جس شخص سے بھی کبھی مناظرہ کیا، کبھی میری خواہش یہ نہیں ہوئی کہ میرے مدِ مقابل کی غلطی ثابت ہو۔

امام شافعیؒ کی کتابیں علم فقہ اور علمِ حدیث کی بنیاد ہیں، اور علمِ اصول کا تو انہیں بانی کہا جاتا ہے، لیکن فرماتے ہیں کہ:-

> وددت أن الناس لو تعلموا هذه الكتب، ولم ينسبوها الي[3]
>
> میری خواہش یہ ہے کہ لوگ ان کتابوں کو پڑھکر ان سے نفع اٹھائیں، لیکن انہیں میری طرف منسوب نہ کریں۔

جس شخص کے اخلاص کا یہ عالم ہو، اُس کے علم میں برکت کیوں نہ آئے؟ اور اس کا علم چار دانگ عالم میں کیوں نہ پھیلے؟ چنانچہ بعض حضرات نے انہیں تیسری صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے[4]

رحمة الله تعالیٰ رحمة واسعة۔ (باقی آئندہ)

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۲۷ ج ۹۔

[2] آداب الشافعیؒ ومناقبہ، لابن ابی حاتمؒ ص ۳۲۶۔ [3] [4] ایضاً

اعلان اجراء شعبۂ تجوید و قراءت

الحمدللہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴ میں شعبہ تجوید و قرأت کا باقاعدہ اجراء ۱ر شوال المکرم ۱۴۰۶ھ سے کردیا گیا ہے۔ اس شعبہ کا نصاب چار سال پر مشتمل ہے، جس میں طالب علم کو تجوید و قرأت سبعۃ وعشرہ کے علاوہ علم الرسم والضبط، وعلم الآیات والاوقاف باقاعدہ پڑھائے جائیں گے۔

سال اوّل کا داخلہ جاری ہے، سردست زیادہ سے زیادہ دس طلباء کو داخلہ دیا جائیگا۔

امیدوار کیلئے حسب ذیل شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے:۔

۱۔ حافظ قرآن ہو۔

۲۔ کم از کم شرح جامی تک کتابیں پڑھی ہوں، یا فارغ التحصیل عالم دین ہوں۔

مذکورہ شرائط کے حامل عالم دین کو ترجیح دی جائے گی۔

امیدوار کا داخلہ مکمل ہونے پر مندرجہ ذیل ترتیب سے وظائف مع طعام وقیام کے دیئے جائیں گے:۔

سال اوّل کا ماہانہ وظیفہ	۵۰/- روپے
سال دوم کا ماہانہ وظیفہ	۱۰۰/- روپے
سال سوم کا ماہانہ وظیفہ	۱۵۰/- روپے
سال چہارم کا ماہانہ وظیفہ	۲۰۰/- روپے

****

اعلان داخلہ

دارالعلوم کراچی میں آئندہ شوال ۱۴۰۶ھ سے شروع ہونے والے تعلیمی سال ۱۴۰۶ھ، ۱۴۰۷ھ کیلئے داخلے سے متعلق مندرجہ ذیل امور کا اعلان کیا جاتا ہے:۔

- شعبہ عربی کے تمام درجات میں قدیم وجدید داخلہ انشاء اللہ تعالیٰ ۶ر شوال سے ۲۰ر شوال تک جاری رہیگا۔
- تمام اسباق انشاء اللہ تعالیٰ ۱۶ر شوال تک شروع ہوجائیں گے۔
- اس سال درجہ حفظ میں داخل ہونے والے کسی جدید طالب علم کو اقامتی داخلہ نہیں دیا جائیگا۔
- ۱۴ سال سے کم عمر رکھنے والے جدید طالب علم کو دارالتربیت کے سوا اقامتی داخلہ نہیں دیا جائیگا۔
- جو چیزیں طلبہ کے علمی مشاغل میں مخل ہوتی ہیں مثلاً ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، ان پر دارالطلبہ کی حدود میں پابندی عائد ہے اس لئے آنے والے طلبہ یہ چیزیں ساتھ نہ لائیں۔

ناظم دارالعلوم کراچی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

معارف القرآن | سورۂ ص | آیت ۲۱ تا ۲۵

خلاصۂ تفسیر

اور بھلا آپ کو ان اہل مقدمہ کی خبر بھی پہنچی ہے (جو داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ لائے تھے) جبکہ وہ لوگ (داؤد علیہ السلام کے) عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد (علیہ السلام) کے پاس آئے (کیونکہ دروازے سے پہرہ داروں نے اس لئے نہیں آنے دیا کہ وہ وقت آپ کی عبادت کا تھا، مقدمات کے فیصلے کا نہیں) تو وہ (ان کے اس بے قاعدہ آنے سے) گھبر گئے (کہ کہیں یہ لوگ دشمن نہ ہوں جو قتل کے ارادے سے اس طرح تنہائی میں آگھسے ہوں) وہ لوگ (اُن سے) کہنے لگے کہ آپ ڈریں نہیں ہم دو اہل معاملہ ہیں کہ ایک نے دوسرے پر (کچھ) زیادتی کی ہے (اس کے فیصلے کے لئے ہم آئے ہیں، چونکہ پہرہ داروں نے دروازہ سے نہیں آنے دیا۔ اس لئے اس طرح آنے کے مرتکب ہوئے) سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو (معاملہ کی) سیدھی راہ بتلا دیجئے (اور پھر ایک شخص بولا کہ صورت مقدمہ یہ ہے کہ) یہ شخص میرا بھائی ہے (یعنی دینی بھائی جیسا کہ درمنثور میں حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے اور) اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس (کل) ایک دنبی ہے، سو یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں مجھ کو دباتا ہے (اور میری بات کو منہ زوری سے چلنے نہیں دیتا) داؤد (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کرتا ہے تو واقعی تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شرکار (کی عادت ہے کہ) ایک دوسرے پر یوں ہی زیادتی کیا کرتے ہیں۔ مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں (یہ بات آپ نے مظلوم کی تسلی کے لئے ارشاد فرمائی) اور داؤد (علیہ السلام) کو خیال آیا کہ (اس مقدمہ کو اس طرح پیش کر کے) ہم نے ان کا امتحان کیا ہے، سو انہوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدہ میں گر پڑے اور

(خاص طور پر خدا کی طرف) رجوع ہوئے، سو ہم نے ان کو وہ (امر) معاف کر دیا اور ہمارے یہاں اُن کے لئے (خاص) قرب اور (اعلیٰ) درجہ کی نیک انجامی (یعنی جنت کا درجہ عُلیا) ہے۔

معارف و مسائل

ان آیتوں میں باری تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں یہ واقعہ جس انداز سے بیان کیا گیا ہے، اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت گاہ میں دو فریقوں کو جھگڑتے ہوئے بھیجکر ان کا کوئی امتحان کیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس امتحان پر متنبہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور سجدے میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی۔ قرآن کریم کا اصل مقصد چونکہ یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے تھے اور کبھی ذرا سی لغزش بھی ہو جائے تو فوراً استغفار کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس لئے یہاں یہ تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ وہ امتحان کیا تھا؟ حضرت داؤد علیہ السلام سے وہ کونسی لغزش ہوئی تھی جس سے انہوں نے استغفار کیا؟ اور جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

اسی لئے بعض محقق اور محتاط مفسرین نے ان آیات کی تشریح میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت و مصلحت سے اپنے جلیل القدر پیغمبر کی اس لغزش اور امتحان کی تفصیل کو کھول کر بیان نہیں فرمایا، اس لئے ہمیں بھی اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے اور جتنی بات قرآن کریم میں مذکور ہے صرف اسی بات پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ حافظ ابن کثیرؒ جیسے محقق مفسر نے اپنی تفسیر میں اسی پر عمل کرتے ہوئے واقعہ کی تفصیلات سے خاموشی اختیار کی ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے زیادہ محتاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔ اس لئے علمائے سلف سے منقول ہے کہ ابھموا ما ابھمہ اللہ۔ یعنی جس چیز کو اللہ نے مبہم چھوڑا ہے تم بھی اس کو مبہم رہنے دو۔ اسی میں حکمت و مصلحت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایسے معاملات کا ابہام ہے جن سے ہمارے عمل اور حلال و حرام کا تعلق نہ ہو اور جن معاملات سے مسلمانوں کے عمل کا تعلق ہو اس ابہام کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے رفع کر دیا ہے۔

البتہ دوسرے مفسرین نے روایات و آثار کی روشنی میں اس امتحان اور آزمائش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اس سلسلہ میں ایک عامیانہ روایت تو یہ مشہور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر ایک مرتبہ اپنے ایک فوجی افسر اوریا کی بیوی پر پڑ گئی تھی جس سے ان کے دل میں اس کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور انہوں نے اوریا کو قتل کرانے کی غرض سے اُسے خطرناک ترین مشن سونپ دیا جس میں وہ شہید ہو گیا اور بعد میں آپ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ اس عمل پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے۔

لیکن یہ روایت بلاشبہ اُن خرافات میں سے ہے جو یہودیوں کے زیر اثر مسلمانوں میں بھی پھیل گئی تھیں یہ روایت دراصل بائبل کی کتاب سموئیل دوم باب ۱۱ سے ماخوذ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بائبل میں کھلم کھلا حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ اوریا کی بیوی سے نکاح سے قبل ہی زنا کا ارتکاب کیا تھا اور ان تفسیری روایتوں میں زنا کے جزء کو حذف کر دیا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس اسرائیلی روایت کو دیکھا اور اس میں سے زنا کے قصّے کو نکال کر اُسے قرآن کریم کی مذکورہ آیتوں پر چسپاں کر دیا۔ حالانکہ یہ کتاب سموئیل ہی سرے سے بے اصل ہے اور یہ روایت قطعی کذب و افتراء کی حیثیت رکھتی ہے اسی وجہ سے تمام محقق مفسرین نے اس کی سخت تردید کی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کے علاوہ علامہ ابن جوزیؒ، قاضی ابوالسعودؒ، قاضی بیضاویؒ، قاضی عیاضؒ، امام رازیؒ، علامہ ابوحیان

اندلسیؒ، خازنؒ، زمخشریؒ، ابن حزمؒ، علامہ خفاجیؒ، احمد بن نصرؒ، ابوتمامؒ اور علامہ آلوسیؒ وغیرہ نے بھی اسے کذب و افترا قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہاں ایک قصہ ذکر کیا ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی ایسی بات ثابت نہیں جس کا اتباع واجب ہو، صرف ابن ابی حاتمؒ نے یہاں ایک حدیث روایت کی ہے۔ مگر اس کی سند صحیح نہیں ہے۔"

غرض بہت سے دلائل کی روشنی میں جن کی کچھ تفصیل امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور ابن جوزیؒ کی زاد المسیر وغیرہ میں موجود ہے یہ روایت تو اس آیت کی تفسیر میں قطعاً خارج از بحث ہو جاتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس آزمائش اور لغزش کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مقدمہ کے دو فریق دیوار پھاند کر داخل ہوئے اور طرز مخاطبت بھی انتہائی گستاخانہ اختیار کیا کہ شروع ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انصاف کرنے اور ظلم نہ کرنے کی نصیحتیں شروع کر دیں اس انداز کی گستاخی کی بنا پر کوئی عام آدمی ہوتا تو انہیں جواب دینے کے بجائے اُلٹی سزا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ امتحان فرمایا کہ وہ بھی غصہ میں آکر انہیں سزا دیتے ہیں یا پیغمبرانہ عفو و تحمل سے کام لے کر ان کی بات سنتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے، لیکن اتنی سی فروگذاشت ہو گئی کہ فیصلہ سناتے وقت ظالم کو خطاب کرنے کے بجائے مظلوم کو مخاطب فرمایا جس سے ایک گونہ جانبداری مترشح ہوتی تھی مگر اس پر فوراً تنبہ ہوا اور سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ (بیان القرآن)

بعض مفسرین نے لغزش کی یہ تشریح کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعا علیہ کو خاموش دیکھا تو اس کا بیان سنے بغیر صرف مدعی کی بات سن کر اپنی نصیحت میں ایسی باتیں فرمائیں جن سے فی الجملہ مدعی کی تائید ہوتی تھی، حالانکہ پہلے مدعا علیہ سے پوچھنا چاہیئے تھا کہ اس کا موقف کیا ہے؟ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ ارشاد اگرچہ صرف ناصحانہ انداز میں تھا اور ابھی تک مقدمہ کے فیصلے کی نوبت نہیں آئی تھی، تاہم ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے شایانِ شان نہیں تھا۔ اسی بات پر آپ بعد میں متنبہ ہو کر سجدہ ریز ہوئے۔ (روح المعانی)

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا نظم اوقات ایسا بنایا ہوا تھا کہ چوبیس گھنٹے میں ہر وقت گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت، ذکر اور تسبیح میں مشغول رہتا تھا، ایک روز انہوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ پروردگار! دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جس میں داؤد کے گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی آپ کی عبادت، نماز اور تسبیح و ذکر میں مشغول نہ ہو، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد! یہ سب کچھ میری توفیق سے ہے اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو یہ بات تمہارے بس کی نہیں ہے، اور ایک دن میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دوں گا اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ وقت حضرت داؤد علیہ السلام کے مشغول عبادت ہونے کا تھا۔ اس ناگہانی قضیہ سے ان کے اوقات کا نظم مختل ہو گیا حضرت داؤد علیہ السلام جھگڑا چکانے میں مشغول ہو گئے۔ آلِ داؤد علیہ السلام کا کوئی اور فرد بھی اس وقت عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف نہ تھا اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ ہوا کہ وہ فخریہ کلمہ جو زبان سے نکل گیا تھا یہ مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے استغفار فرمایا اور سجدہ ریز ہو گئے۔ اس توجیہہ کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو مستدرک حاکمؒ میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے (احکام القرآن)

ان تمام تشریحات میں یہ بات مشترک طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ مقدمہ فرضی نہیں، بلکہ حقیقی تھا، اور صورت مقدمہ کا حضرت داؤد

علیہ السلام کی آزمائش یا لغزش سے کوئی تعلق نہیں تھا اس کے برخلاف بہت سے مفسرین نے اس کی ایسی تشریح فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مقدمہ کے یہ فریقین انسان نہیں، بلکہ فرشتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ وہ ایسی فرضی صورتِ مقدمہ پیش کریں جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی لغزش پر تنبیہ ہو جائے ۔

چنانچہ ان حضرت کا یہ کہنا ہے کہ اوریا کو قتل کرانے اور اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کا وہ قصہ تو غلط ہے لیکن حقیقت حال یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں کسی شخص سے یہ فرمائش کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کا نکاح مجھ سے کر دو " اس زمانے میں اس فرمائش کا عام رواج بھی تھا اور یہ بات خلافِ مروّت بھی نہ سمجھی جاتی تھی، حضرت داؤد علیہ السلام نے اسی بنا پر اوریا سے یہی فرمائش کی تھی، جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دو فرشتے بھیج کر آپ کو تنبیہ فرمائی ۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بات صرف اتنی تھی کہ اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہوا تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی اُسی عورت کو اپنا پیغام دیدیا ۔ اس سے اوریا کو بہت رنج ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کے لئے یہ دو فرشتے بھیجے اور ایک لطیف پیرایہ میں اس لغزش پر تنبیہ فرمائی ۔ قاضی ابو یعلیٰؒ نے اس توجیہہ پر قرآن کریم کے الفاظ وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ سے استدلال فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ محض خِطْبَہ (منگنی) کے سلسلہ میں پیش آیا تھا اور ابھی حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے نکاح نہیں فرمایا تھا ۔ (زاد المسیر لابن الجوزیؒ ص ۱۱۶ ۔ ج ۷)

اکثر مفسرین نے ان آخری دو تشریحات کو ترجیح دی ہے اور ان کی تائید بعض آثار صحابہؓ سے بھی ہوتی ہے (ملاحظہ ہو روح المعانی، تفسیر ابی السعود، زاد المسیر، تفسیر کبیر وغیرہ) لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس آزمائش اور لغزش کی تفصیل نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ کسی صحیح حدیث سے ، اس لئے اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ اوریا کو قتل کروانے کا جو قصہ مشہور ہے وہ غلط ہے، لیکن اصل واقعہ کے بارے میں مذکورہ بالا تمام احتمالات موجود ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو قطعی اور یقینی نہیں کہا جا سکتا ، لہٰذا سلامتی کی راہ وہی ہے جو حافظ ابن کثیرؒ نے اختیار کی کہ جس بات کو اللہ تعالیٰ نے مبہم چھوڑا ہے ۔ ہم اپنے قیاسات اور اندازوں کے ذریعہ اس کی تفصیل کی کوشش نہ کریں ۔ جبکہ اس سے ہمارے کسی عمل کا تعلق نہیں ۔ اس ابہام میں بھی یقیناً کوئی حکمت ہے لہٰذا صرف اتنے واقعہ پر ایمان رکھا جائے جو قرآنِ کریم میں مذکور ہے ، باقی تفصیلات کو اللہ کے حوالے کیا جائے ۔ البتہ اس واقعہ سے متعدد عملی فوائد حاصل ہوتے ، زیادہ توجہ ان کی طرف دینی چاہئے اس لئے اب آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے جس میں انشاء اللہ ان فوائد کا ذکر آجائے گا ۔

إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ (جب وہ محراب کی دیوار پھاند کر داخل ہوئے) محرابٌ دراصل بالاخانے یا کسی مکان کے سامنے کے حصے کو کہتے ہیں پھر خاص طور سے مسجد یا عبادت خانے کے سامنے کے حصہ کو کہا جانے لگا ، قرآن کریم میں یہ لفظ عبادت گاہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا کہ مسجد کے دائرہ نما محرابیں جیسی آجکل معروف ہیں ۔ یہ عہد نبویؐ میں موجود نہیں تھیں (روح المعانی)

فَفَزِعَ مِنْهُمْ (پس حضرت داؤدؑ ان سے گھبرا گئے) گھبرانے کی وجہ صاف ظاہر تھی کہ دو آدمیوں کا بے وقت پہرہ توڑ کر اس طرح گھس آنا عموماً کسی بُری نیت ہی سے ہوتا ہے ۔

ترتیب: محمد اسلم ھارون آبادی

افادات حضرت حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

قرآنی آیات ۱۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا

اور کوئی رزق کھانے والا جانور روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں. کہ اُس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ (سورہ ہود آیت ۶) (بیان القرآن)

۲۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۔

کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم۔ (سورۃ روم آیت ۳۷)

۳۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰہِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْہُ وَاشْکُرُوْا لَہٗ ۔

سوتم رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو۔ (سورہ عنکبوت آیت ۱۷)

۴۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۔

دنیوی زندگی میں (تو) ان کی روزی ہم (ہی) نے تقسیم کر رکھی ہے۔ (سورہ الزخرف آیت ۳۲ بیان القرآن)

رزقِ مقدر کے متعلق احادیثِ مبارکہ

حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کی پانچ چیزوں سے فراغت فرمادی ہے اس کی عمر سے اور اس کے رزق سے اور اس کے عمل اور اس کے دفن ہونے کی جگہ سے اور یہ کہ (انجام میں) سعید ہے یا شقی ہے۔ (احمد و بزاز، حیوۃ المسلمین)

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کو

سن لے، اگر تو روزی کی تلاش نہ بھی کرتا تو بھی جو تیرے مقدر میں ہے وہ تجھے مل جاتی۔

(منہاج العابدین صـ۱۸۸)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی بھیجی ہے کہ کوئی شخص نہیں مرتا جب تک وہ اپنے مقدر کا رزق پورا نہیں کرلیتا اگرچہ دیر سے اس کو پہنچے۔ پس جب یہ بات ہے تو تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اور روزی تلاش کرنے میں اعتدال سے تجاوز مت کرو اور تاخیر رزق کی صورت میں گناہوں کے ساتھ رزق طلب نہ کرنے لگنا۔ اور جو رزق حلال اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ طاعت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ (اسوۂ رسول اکرمؐ ص۴۷۹)

ارشاد باری تعالیٰ: إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (سورہ والذاریات)

بے شک صرف اللہ ہی روزی دینے والا (روزی رسانی کی) پختہ اور محکم قوت والا ہے۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بلاشبہ رزق انسان کو اس طرح ڈھونڈھتا ہے جیسا کہ اس کو اس کی موت ڈھونڈتی ہے۔ (خطبات الاحکام ص۱۳۸)

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ لوگ اس پر عمل کریں تو ان کو وہی کافی ہو جاوے وہ آیت یہ ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ الآیۃ یعنی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں اس کو گمان بھی نہ ہو۔ (خطبات الاحکام ص۱۳۸)

رزق کا مدار رزق کا مدار عقل پر نہیں۔ ورنہ زیادہ عقل والے کم عقلوں سے زیادہ مالدار ہوتے حالانکہ زیادہ عقل والے آپ کے سامنے موجود ہیں اور بہت پریشان ہیں۔ لیاقت سے رزق ملنا قارون کا عقیدہ ہے۔ (اصلاح المسلمین ص۵۵۵)

رزق کا مدار کثرتِ اسباب پر نہیں ہے۔ کثرتِ اسبابِ معاش کثرتِ رزق کا مدار نہیں چنانچہ مشاہدات اس امر کو بتاتے ہیں کہ ایک شخص ایک ہی تجارت سے غنی اور بڑا مالدار ہو جاتا ہے دوسرا شخص متعدد تجارتوں پر ہاتھ مارنے کے باوجود مقروض اور پریشان رہتا ہے، اور دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے اہل عقل فاقہ میں مبتلا رہتے اور بہت سے نادان بیوقوف لکھ پتی ہیں، شاعر کہتا ہے ؎

کم عاقل عاقل اعیت مذاهبه — وجاهل جاهل تلقه مرزوقا

هذا الذی ترك الاوهام حائرة — وصیر العالم النحریر زندیقا

بہت سے عاقل ایسے دیکھے گئے ہیں کہ ان کو رزق کی پریشانیوں نے تھکا دیا ہے، اور بہت سے جاہل دیکھے گئے ہیں کہ وہ رزق کثیر سے فارغ البال ہیں، اور یہ تصرفات عجیبہ ایسے ہیں کہ جس سے لوگوں کے اوہام حیرت زدہ ہیں، اور بڑے بڑے اہل علم کو اس امر عجیب نے حیرت مذمومہ میں مبتلا کرکے زندیق بنا دیا۔ (معرفت الٰہیہ ص۹۷)

شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

اگر روزی بدانش در فزودے — زناداں تنگ تر روزی نبودے

بناداں آنچناں روزی رساند — کہ دانا اندراں حیراں بماند

یعنی عقل پر روزی کا مدار ہوتا تو بیوقوف تو بھوکوں مرجاتے، بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ بعض دفعہ، بلکہ زیادہ تر نادانوں کو اس قدر مال و دولت مل جاتی ہے کہ عقل مند کو اس پر حیرت ہوجاتی ہے۔ لیکن اللہ والے اس تقسیم سے راضی رہتے ہیں، وہ زبان حال سے کہتے ہیں ؎

رَضِینَا قِسْمَۃَ الْجَبَّارِ فِینَا — لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُھَّالِ مَالٌ

فَإِنَّ الْمَالَ یَفْنیٰ عَنْقَرِیبٍ — وَإِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا یَزَالُ

ترجمہ:۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم سے جو اس نے ہمارے لئے کی ہے راضی ہیں کہ ہمارے لئے علم اور جاہلوں کے لئے مال، کیونکہ مال بہت جلد ختم ہونے والی شے ہے اور علم کبھی زائل نہ ہوگا۔ حقوق و فرائض صـ۴۷۹

رزق میں تنگی اور فراخی کی حکمت ۔ محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کے لئے بڑی بہتری ہوتی ہے) ایک تو وہ موت کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے (مسند احمد معارف الحدیث صـ۹۱)

رزق کی تنگی اور فراخی کا معاملہ مشیت الٰہی کے تابع ہے حدیث شریف میں ہے کہ بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کی روزی کی تنگی اور پریشانی ہو تو کفر میں مبتلا ہوجائیں اور بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کی روزی فراخ کردی جائے تو وہ طغیانی اور کفر میں مبتلا ہوجائیں ہر ایک کی طبائع اور مزاج الگ الگ ہیں شفا خانہ میں مریض ہر قسم کے ہوتے ہیں، کسی کو حکیم دوا تلخ پلاتا ہے، اگر اس کو حلوہ کھلا دے تو اس کا مادہ فاسد اس حلوے کو بھی متعفن کرکے زہر بنا دے، اور اس بیماری میں شدت پیدا ہوجائے۔ اسی طرح جو مریض صحت یاب ہونے کے قریب ہے اور صرف ضعف رہ گیا، اس کے لئے مغز بادام، مکھن اور پھل تجویز کرتا ہے، مخلوق کی طبیعت اور مزاج کا صحیح علم خالق ہی کو ہوتا ہے ارشاد فرماتے ہیں اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ بھلا وہی ذات نہ جانے جس نے پیدا کیا ہو، وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ، اور وہ ایک باریک بیں پورا باخبر ہے (معرفت الٰہیہ صـ۹۴)

مقدّر رزق کا مراقبہ

حضرت امام غزالی اپنے شیخ کے استاد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرتے ہیں رزق کے معاملہ میں جس چیز سے مجھے سکون ہوا وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے نفس سے کہا کہ یہ رزق زندہ انسانوں کے لئے ہی تو ہے مُردوں کو دنیوی رزق سے کیا تعلق، اور جس طرح انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کے خزانے اور اس کے دست قدرت میں ہے، اسی طرح رزق بھی اس کے دست قدرت میں ہے، چاہے مجھے دے، اور چاہے نہ دے، کیونکہ حدیث میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مچھلی اور بیل کی پشت پر لکھا ہوا ہے کہ یہ فلاں بن فلاں کا رزق ہے، تو رزق کے معاملے میں حریص شخص کو بے مشقت کے سوا حاصل نہیں ہوتا فرمایا کہ بیشک جن لقموں کا چبانا تیرے مقدر میں ہوچکا ہے انہیں کوئی دوسرا نہیں چبا سکتا، تو اپنے حصے کے رزق کو عزت کے ساتھ کھا، ذلت و خواری سے نہ کھا۔ (منہاج العابدین صـ۲۱۷)

برکتِ رزق کے شرعی نسخے

یہ شبہ نہایت ضعیف ہے کہ رزق تو مقدر ہے، وہ کیسے گھٹ بڑھ سکتا ہے؟ اس میں رزق کی کیا تخصیص ہے، یہ سب چیزیں مقدر ہی میں ہیں، امیری اور غریبی، صحت و مرض عمر وغیرہ سب میں یہی شبہ ہو سکتا۔ مگر پھر بھی اِن امور کو اسباب کے ساتھ مربوط سمجھ کر تدبیر کا استعمال کیا جاتا ہے یہی حال رزق کا سمجھ لینا چاہیئے۔

(۱) درود شریف: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جس شخص کو یہ منظور ہو کہ میرا مال بڑھ جاوے، وہ یوں کہا کرے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَعَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔ (زاد السعید ص۱۹)

(۲) سورۃ واقعہ۔ سورۂ واقعہ پڑھنے سے فاقہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کہ سورۂ واقعہ پڑھا کرے ہر شب میں نہ پہنچے گا اس کو فاقہ کبھی۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔ (جزاء الاعمال ص۳۲)

(ف) ایک روایت میں ہے کہ سورۂ واقعہ سورۃ الغنی ہے اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ، مگر بہت ہی پست خیالی ہے کہ چار پیسے کے لئے اس کو پڑھا جائے۔ البتہ غنائے قلب اور آخرت کی نیت سے پڑھا جائے تو دنیا خود بخود ہاتھ جوڑ کر حاضر ہو گی۔

(۳) سورہ یٰسین۔ سورۃ یٰسین پڑھنے سے تمام کام بن جاتے ہیں۔ عطاء ابن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورہ یٰسین پڑھے شروع دن میں پوری کی جاویں گی اس کی تمام حاجتیں، روایت کیا اس کو دارمیؒ نے۔ (جزاء الاعمال ص۳۲)

(۴) عاشورہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے فراخی کی اپنے اہل و عیال پر خرچ میں عاشورہ کے دن فراخی کریگا اللہ تعالیٰ اس پر (رزق میں) تمام سال۔ (رزین و بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس روز اپنے گھر والوں پر کھانے پینے کی فراخی رکھے سال بھر تک اس کی روزی میں برکت رہتی ہے۔

(ف) مصارف عیال میں کچھ فراخی کرنا اپنی حیثیت کے موافق مباح ہے اس میں سے کچھ محتاجوں کو بھی دیدیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ (خطبات الاحکام ص۱۶۱ مسنون اعمال ص۵)

(۵) خدمت والدین۔ حدیث شریف میں ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص رزق کی کشادگی اور عمر کی زیادتی کا خواہشمند ہو اس کو چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ (مسند احمد الادب المفرد)

(۶) استغفار۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمایا: کہ جو بندہ استغفار کو لازم پکڑے، یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے تنگی اور مشکل سے نکلنے اور رہائی پانے کا راستہ بنا دے گا، اور اس کی ہر فکر اور ہر پریشانی کو دور کر کے کشادگی اور اطمینان فرمائے گا، اور اس کو ان طریقوں سے رزق دیگا جن کا اس کو خیال و گمان بھی نہ ہوگا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، معارف الحدیث)

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مومن مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہر دن ستائیس یا پچیس مرتبہ استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں شمار فرماتے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے، اور جن کی برکت سے زمین والوں کو روزی ملتی ہے۔ (فضائل استغفار ص۱۸)

(۷) صدقہ۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روزی طلب کرو (اللہ سے) صدقہ کے ذریعہ سے یعنی خیرات کرو، اس کی برکت سے روزی میں ترقی ہوگی۔ (رواہ بیہقی)

حدیث میں ہے کہ صدقہ کرو اپنے مریضوں کی دوا کرو۔ صدقہ کے ذریعہ سے اس لئے کہ صدقہ دفع کرتا ہے مرضوں کو اور بیماریوں کو، اور وہ زیادتی کرتا ہے تمہاری عمروں اور نیکیوں میں۔
(بہشتی زیور حصہ سوم ص۳۲۸)

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے صدقہ دو چھپے اور ظاہر (طور پر) ثواب پاؤ گے، اور تعریف کئے جاؤ گے اور روزی دیئے جاؤ گے، مدد کئے جاؤ گے۔ (خطبات ماثورہ ص۳۳)

(۸) کمزوروں کی دلجوئی۔ ۱؎ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: مجھ کو (یعنی میری خوشی کو کمزوروں کی دلجوئی) میں تلاش کرو۔ کیونکہ کمزوروں کی وجہ سے تم کو بھی رزق دیا جاتا ہے، یا یوں فرمایا کہ تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (خطبات الاحکام ص۱۳۳، ابوداؤد)

۲؎ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے، ان میں سے ایک آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور دوسرا کوئی پیشہ کیا کرتا تھا، پس اس کمانے والے نے اپنے بھائی کی شکایت حضورؐ سے کی کہ (یہ کچھ کماتا نہیں) آپ نے فرمایا کہ شاید تجھ کو اسی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے (ترمذی خطبات الاحکام ص۴۹)

(۹) حج۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کو ملا کر کرو، کیونکہ وہ دونوں فقر (تنگدستی) اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں، جیسا کہ بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے، اور حج مبرور (یعنی مقبول) کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں (ترمذی ونسائی، خطبات الاحکام ص۲۰۱)

(۹) نکاح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ان کی مدد کرنا حق ہے (ان میں سے ایک اس کو بھی فرمایا) جو نکاح کرے عفت کے ارادے سے (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ خطبات الاحکام ص۴۵)

(۱۰) ۱؎ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے نکاح کرو وہ تمہارے لئے مال لائیں گی (یعنی اس کے آنے سے اللہ تعالیٰ مال میں برکت دیگا۔ جہیز لانا مراد نہیں) (بزار، حیوۃ المسلمین ص۲۴۹)

(۱۰) تبلیغ - ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی کا حکم کرو۔ ارزانی دیئے جاؤ گے۔ اور بدی سے منع کرو، مدد کئے جاؤ گے۔ (خطبات ماثورہ ص۳۳)

(ف) ارشاد باری تعالیٰ ہے اگر تم خدا کے دین کی مدد کرو گے، وہ تمھاری امداد کرے گا۔

(۱۱) گھر میں السلام علیکم کہنا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹا! جب تم اپنے والوں کے پاس جاؤ، تو سلام کرو اس سے تم پر اور تمھارے والوں پر برکت نازل ہوگی۔

(ف) بعض علماء کا کہنا ہے جو شخص اپنے گھر والوں کو پہلے سلام کرتا ہے اسکے مال وعیال میں برکت دی جاتی ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا ضامن ہے، زندگی میں اللہ تعالیٰ ان کو کافی ہے، مرنے کے بعد جنت ان کا مقام ہے۔

(۱) جو اپنے گھر میں سلام کرکے داخل ہو اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے۔

(۲) جو مسجد کی طرف گیا (تاکہ نماز پڑھے) وہ اللہ کی ضمانت میں ہے۔

(۳) جو اللہ کے راستہ جہاد کے لئے نکلا وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے۔ (الادب المفرد)

(۱۲) شب برات - ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شب شعبان میں عبادت کرو اور اس کی صبح کو روزہ رکھو، حق تعالیٰ غروب شمس ہی کے وقت آسمان دنیا پر تشریف لا کر ارشاد فرماتے ہیں کوئی مغفرت مانگنے والا ہے کہ میں اس کو بخشوں، کوئی طالب رزق ہے کہ اس کو رزق دوں، کوئی مبتلائے مصیبت ہے کہ اس کو عافیت دوں، ہے کوئی ایسا ہے کوئی ایسا! یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی ہے۔

(ابن ماجہ و بیہقی) مسنون اعمال ص۲)

(۱۳) بیوی کے لئے نفقہ میں فراخی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈور، کیونکہ وہ تمھاری قیدی ہیں تم نے انہیں اللہ کے عہد و پیمان کے ساتھ حاصل کیا ہے، اور اللہ کے کلمہ کے ساتھ تم نے ان کی شرم گاہوں کو حلال بنایا ہے لہذا تم ان کے لئے لباس اور نفقہ کی فراخی رکھو، تاکہ اللہ تمھارے لئے رزقوں میں فراخی دے، اور تمھارے لئے عمروں میں برکت عطا فرمائے جو تم چاہو گے، اللہ تعالیٰ تمھارے لئے کر دے گا۔ (سرور خاطر)

(۱۴) اشراق کے نوافل - جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک سے روایت کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم! تو چار رکعت نفل پڑھ میرے لئے۔ اخلاص سے اول دن میں۔ تو میں تجھے تیرے کاموں میں کفایت کروں گا۔ (ترمذی)

ف دیکھو ثواب بھی ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کاموں کو پورا بھی فرماتے ہیں دین و دنیا کی نعمتیں میسر آتی ہیں لوگ مصیبت میں ادھر ادھر مارے پھرتے ہیں، مخلوق کی خوشامد کرتے ہیں، کاش وہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کریں، اس کے بتلائے ہوئے وظیفے اور نمازیں پڑھیں۔ تو دنیا کے کام بھی خوب درست ہوجائیں، اور ثواب بھی میسر ہو، اور مخلوق کی خوشامد کی ذلت سے نجات ملے۔ (بہشتی زیور ص۲۲۵)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل جلالہٗ کا پاک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز کے بعد

اور عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر مجھے یاد کر لیا کر، میں درمیانی حصہ میں تیری کفایت کروں گا، ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ذکر کیا کرو، وہ تیری مطلب برآری میں معین ہوگا۔ (احمد کذا فی الدر)

(۱۵) **پانچ وقت کی نماز سے رزق میں برکت**۔ ایک صحابی ارشاد فرماتے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر خرچ کی کچھ تنگی ہوتی تو آپ ان کو نماز کا حکم فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ الخ اپنے گھر والوں کا نماز کا حکم کیجئے، اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہیئے، ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے، ایک حدیث میں ہے نماز اللہ کی رضا کا سبب ہے، فرشتوں کی محبوب چیز ہے، انبیاء علیہ السلام کی سنت ہے، اس سے معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے، دعا قبول ہوتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے۔

(فضائل اعمال صـ ۳۱۵)

(۱۶) **اپنی حاجت اور بھوک کو پوشیدہ رکھنا**۔ حضرت ابن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: کہ جو شخص بھوکا ہو، یا حاجت مند ہو، اور وہ لوگوں سے اپنی حاجت کو پوشیدہ رکھے، تو اللہ تعالیٰ شانہ پر بوجہ اس کے لطف وکرم کے یہ حق ہے کہ اس کو سال کی روزی حلال مال سے عطا فرمائے

(مشکوۃ)

(۱۷) **صلہ رحمی**۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُس کے رزق میں وسعت کی جائے، اور اس کے نشانات قدم میں تاخیر کی جائے، اس کو چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے۔ (مشکوۃ)

ف نشانات قدم میں تاخیر کئے جانے سے عمر کی درازی مراد لی جاتی ہے، اس لئے کہ جس شخص کی جتنی عمر زیادہ ہوگی، اتنے ہی زمانہ تک اس کے چلنے سے نشانات قدم زمین پر پڑیں گے اور جو مر گیا اس کے پاؤں کا نشان زمین سے مٹ گیا۔ (فضائل صدقات صـ ۲۶۳)

(۱۸) **فقر کو دور کرنے والا کلمہ**۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ ننانوے بیماریوں کی دوا ہے، جن میں سے سب کم درجہ کی بیماری فکر وغم ہے (ترمذی) اگر لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ کے ساتھ وَلَا مَنْجَاءَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس سے ستر بلائیں دور فرمائیں گے، جن میں سب سے کم درجہ کی بلاء فقر ہے۔ (مشکوۃ بحوالہ ترمذی)

(۱۹) **خدا پر توکل کرنا**۔ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے (دل سے) اللہ تعالیٰ ہی کا ہو رہے اللہ تعالیٰ اس کی سب ذمہ داریوں کی کفایت فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص دنیا کا ہو رہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے حوالے کر دیتا ہے۔ (حیوۃ المسلمین صـ ۱۲۸)

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تم خدا پر کماحقہ توکل کرتے، تو وہ تمہیں پرندوں کی طرح رزق دیتا، جو صبح خالی پیٹ گھونسلوں سے نکلتے ہیں، اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔

منہاج العابدین صـ ۱۸۰

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص یہ چاہے کہ سب سے قوی ہو جائے، تو اسے چاہئے کہ اللہ پر توکل کرے، اور جو چاہے کہ سب سے باعزت ہو جائے، تو اسے چاہیے کہ تقویٰ اختیار کرے اور جو چاہے کہ سب سے زیادہ دولت مند ہو، تو اسے چاہئے کہ اپنے پاس موجود شے سے زیادہ اس شے پر اعتماد کرے، جو خدا کے دست قدرت میں ہے۔ (فضائل صدقات)

(۲۰) **تقدیر پر راضی رہنا**۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو جو کچھ دیتا ہے، اس سے ان کی آزمائش کرتا ہے، اگر وہ اپنی قسمت پر راضی ہو جائیں، تو ان کی روزی میں برکت عطا فرماتا ہے، اور اگر راضی نہ ہوں، تو ان کی روزی کو وسیع نہیں کرتا۔ (مسند احمد)

(۲۱) **تجارت کرنا**۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کہ سوداگری کرو، کیونکہ روزی کے دس حصے ہیں، جن میں نو حصے صرف سوداگری میں ہیں۔ (احیاء العلوم)

(۲۲) **سچ بولنا**۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بائع اور مشتری آپس میں دونوں اگر سچ بولیں اور (عیب و ہنر) ظاہر کر دیں تو انھیں ان کی بیع میں برکت دی جائے گی اور اگر جھوٹ بولیں گے اور عیب پوشی کریں گے، تو ان کی بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔ (بخاری شریف، احیاء العلوم)

ف زیادتی اور برکت رزق میں امانت داری سے ہوتی ہے، اس واسطے جو شخص امانت دار مشہور ہیں۔ ہر شخص اس کے ساتھ معاملہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے، اور بہت فائدہ ہوتا ہے، اور جو شخص خیانت کے ساتھ مشہور ہوا، اس سے سب عذر کرتے ہیں، برکت کے یہ معنی ہیں کہ کسی کے پاس مال تھوڑا سا ہو اور بہرہ مندی زیادہ ہو، اور بہتوں کو اس سے راحت ہو۔ (تجارت اور کسب حلال)

(۲۳) **صبح سویرے کام شروع کرنا**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رزق کی تلاش اور حلال کمائی کے لئے صبح سویرے ہی چلے جایا کرو، کیونکہ کاموں میں برکت اور کشادگی ہوتی ہے۔

ف یعنی صبح سویرے حلال کمائی کرنے سے رزق میں برکت پڑتی ہے۔ (اسوۂ رسول اکرمؐ ص ۲۷۸)

(۲۴) **سفر کرنا**۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: سفر کرو تندرستی پاؤ گے اور روزی دیئے جاؤ گے۔ (طب نبویؐ ص ۴۴)

(۲۵) **گرا پڑا لقمہ کھا لینا**۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس وقت گر پڑے تمہارا کوئی لقمہ، تو اٹھالو، اور اس کو پونچھ ڈالو، جو کچھ اس میں لگا ہو، اور پھر اس کو کھاؤ اور نہ چھوڑ و اس کو واسطے شیطان کے فرمایا جو کھانا کھاتے وقت دسترخوان سے گری ہوئی چیز کو کھالے، ہمیشہ رہتا ہے وہ رزق کی فراخی میں۔ (طب نبوی ص ۱۰)

(۲۶) **دعا کی برکت**: ما حضرت ابوسعید خدریؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو بہت سے افکار اور قرض نے گھیر لیا، آپ نے ارشاد فرمایا: تجھ کو ایسا کلام بتلا دوں کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تیری ساری فکریں دور کر دے، اور تیرا قرض بھی ادا کر دے، اس شخص نے عرض کیا: بہت خوب! فرمایا! صبح و شام یہ کہا کر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ

ابوداؤد نے۔ (جزاء الاعمال ص۳۳)

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے؛ کہ جس شخص کو فاقہ کی نوبت آجائے، اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے، اس کا فاقہ بند نہ ہوگا، اور جو شخص اپنے فاقہ کو اللہ تعالیٰ پر پیش کرے گا، اور اللہ سے درخواست کرے تو حق تعالیٰ شانہ جلد اس کو روزی عطا فرماتے ہیں، فوراً مل جائے، یا کچھ دیر کو مل جائے (ترمذی)

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے غنا طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو غنا عطا فرما دیتا ہے۔ (صدقات ص۴۲۷)

(۲۷) **رمضان شریف** - فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

یعنی اس مہینہ میں مومن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے۔ (خطبات احکام ص۱۸)

ف خلوص دل سے مومن اگر رمضان شریف کا مہینہ عبادت میں گذارے، اور روزے رکھے تو اس ماہ میں مومن کا رزق بڑھ جاتا ہے تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہے۔

(۲۸) **سستا غلہ فروخت کرنا** - حضرت عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص رزق (غلہ وغیرہ) باہر سے لائے، تاکہ لوگوں کو ارزاں دے، اس کو روزی دی جاتی ہے جو شخص روکے رکھے وہ ملعون ہے۔

(مشکوٰۃ، فضائل صدقات)

(۲۹) **انتظام واعتدال کے ساتھ خرچ کرنے سے رزق میں برکت** - حضرت انسؓ، ابوامامہ، ابن عباسؓ وعلیؓ سے (مجموعاً و مرفوعاً) روایت ہے کہ بیچ کی چال چلنا یعنی نہ کنجوسی کرے اور نہ فضول اڑائے، بلکہ سوچ سمجھ کر اور سنبھال کر ہاتھ روک کر کفایت شعاری اور انتظام واعتدال کے ساتھ ضرورت کے موقعوں پر صرف کرے، تو اس طرح خرچ کرنا آدھی کمائی ہے جو شخص (خرچ کرنے میں) اس طرح بیچ کی چال چلے گا، وہ محتاج نہیں ہوتا، اور نہ فضول اڑانے میں زیادہ مال بھی نہیں رہتا۔ (حیٰوۃ المسلمین ص۲۴۵)

(۳۰) **قناعت** - جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛ کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو جو کچھ دیتا ہے اس سے ان کی آزمائش کرتا ہے، اگر وہ اپنی قسمت پر راضی ہو جائیں تو ان کی روزی میں برکت عطا فرماتا ہے۔ اور اگر راضی نہ ہوں تو ان کی روزی وسیع نہیں کرتا۔ (مسند احمد، اسوۂ رسول اکرمؐ ص۱۴۸)

(۳۱) **برکت کی حقیقت** - حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ: مال حلال میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ اس کو فضول خرچ کیا جائے، ہر چیز ایک خاص کام کے لئے موضوع ہوتی ہے، اس کا اس کام میں آنا تو برکت ہے، اور اگر اس کام میں نہ آئے تو بے برکتی ہے، مثلاً روپیہ اس واسطے ہے کہ اس کے ذریعے سے کھائیں پہنیں، دنیا کی راحت حاصل ہو، تو وہ اگر کھانے پینے کے کام آئے اور اپنے تن کو لگے تو برکت ہے، اور اگر اس کام میں نہ لگے بلکہ فضول اڑا دی جائے تو بے برکتی ہے۔ (اصلاح المسلمین ص۱۸۸)

فضول خرچی بے برکتی کا سبب ہے - فضول خرچیوں اور اسراف کی بدولت مسلمان تباہ اور برباد ہو گئے، مگر پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں، لوگ آمدنی بڑھانے کی تو فکر کرتے ہیں، جو غیر اختیاری ہے، اور خرچ گھٹانے کا انتظام نہیں کرتے، جو اختیاری ہے، خرچ کرنے سے قبل کم از کم تین مرتبہ سوچ لیا کریں کہ ہم جو خرچ کرنا چاہتے ہیں،

کیا یہ خرچ ایسا ضروری ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر ہو گا، جہاں تحقیق ہو جائے اس کو ضروری سمجھیں، پھر یہ سوچیں کہ کیا اتنا خرچ ہونا چاہیے یا اس سے کم میں بھی کام چل سکتا ہے۔ اور فضول خرچی نہ ہونے کی مفید ترکیب یہ بھی کہ گھر کا معائنہ کرو گھر میں بہت سی چیزیں ایسی دیکھو گے، جو سڑ رہی ہیں، بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ بے کار رکھی رہتی ہیں، پس ایسی چیزوں کو اپنی ملک سے الگ کر دو تاکہ گھر میں رونق ہو، ایک دفعہ ایسا کرو گے، تو آئندہ ایسی چیزیں کبھی نہ خریدو گے۔ (اختصار عبارت، اصلاح المسلمین ص۴۹۷)

بے برکتی اور رزق کی کمی کے اسباب

① گناہوں کی کثرت۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ الرَّجُلَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ یُصِیْبُہٗ یعنی بے شک آدمی محروم ہو جاتا ہے رزق سے، گناہوں کے سبب جس کو وہ اختیار کرتا ہے۔

ابن ماجہ میں عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم دس آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمانے لگے: پانچ چیزیں ہیں میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ۔ جب کسی قوم میں بے حیائی کے افعال علی الاعلان ہونے لگیں، وہ طاعون میں مبتلا ہوں گے اور ایسی ایسی بیماریوں میں گرفتار ہوں گے جو ان کے بڑوں کے وقت میں نہیں ہوئیں اور جب کوئی قوم ناپنے تولنے میں کمی کرے گی قحط اور تنگی اور ظلم حکام میں مبتلا ہوں گے، اور نہیں بند کیا کسی قوم نے زکوٰۃ کو، مگر بند کیا جائے گا باران رحمت ان سے اگر بہائم نہ ہوتے تو کبھی ان پر بارش نہ ہوتی، اور نہیں عہد شکنی کی کسی قوم نے، مگر مسلط کریگا اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو غیر قوم سے، جبراً لے لیں ان سے ان کے اموال کو۔ (جزاء الاعمال ص۵)

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جب میری اطاعت کی جاتی ہے میں راضی ہوتا ہوں، اور جب راضی ہوتا ہوں، برکت کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں، اور جب میری اطاعت نہیں ہوتی، غضب ناک ہوتا ہوں اور لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت کا اثر سات پشت تک پہنچتا ہے۔

ف یہ مطلب نہیں کہ سات پشت پر لعنت ہوتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے نیک ہونے سے جو اولاد کو برکت ملتی ہے وہ نہ ملے گی۔ (حیٰوۃ المسلمین ص۲۶۶)

② باوجود سخت احتیاج کے غلہ کو روکنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص مسلمانوں پر ان کے کھانے کو چالیس دن تک (باوجود سخت احتیاج کے روکے رکھے، فروخت نہ کرے حق تعالیٰ شانہٗ اس کو کوڑھ کے مرض میں اور افلاس میں مبتلا کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

③ بغیر ضرورت کے لوگوں سے بھیک مانگنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا حق تعالیٰ شانہ فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(ف) البتہ ضرورت کے موقع پر سوال کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

④ روٹی کی بے حرمتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روٹی کا ادب کرو۔ مقاصد حسنہ میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ گیہوں جب پاؤں میں آتا ہے تو اس کے سبب قحط ہو جاتا ہے۔ (التشرف ص۲۱۴)

محمد تقی عثمانی

إن الحكم إلا لله عليه توكلت وعليه فليتوكل المتوكلون

ان قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق
بنانے کیلئے سپریم کورٹ کا فیصلہ

(۵۳) جناب ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ نے ایک دلیل یہ بھی پیش کی کہ شفعہ کے معروف تین حق داروں کے بارے میں بھی فقہاء کرام کا اتفاق نہیں رہا، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل سوائے شریک کے کسی اور کو شفعہ کا حق دینے کے قائل نہیں ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہ حقوق جائیداد کے شریک (خلیط) کو اور پڑوسی کو بھی شفعہ کا حق دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفعہ کے استحقاق کا قانون ایسا بے لچک (rigid) اور حتمی (final) نہیں ہے جس میں کسی اضافے کی گنجائش نہ ہو، لہٰذا اگر آج شفعہ کے حق داروں کی فہرست میں کوئی اضافہ کر دیا جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۵۴) لیکن فاضل ایڈووکیٹ نے فقہاء کرام کے جس اختلاف کا حوالہ دیا ہے، اگر غور کیا جائے تو وہ ان کے حق میں نہیں، ان کے خلاف جاتا ہے، اگر فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد یہ ہوتی کہ کچھ لوگ قیاس کے ذریعہ "پڑوسی" کو حق شفعہ دینے کے قائل ہوتے، اور کچھ اس کی مخالفت کرتے، تو یہ دلیل فاضل ایڈووکیٹ کے لئے کارآمد ہو سکتی تھی، لیکن صورتِ حال یہ نہیں ہے، کیونکہ اس اختلاف کے سلسلے میں بڑی سیر حاصل بحثیں شروحِ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ملتی ہیں، اور فریقین نے اپنے اپنے موقف پر ہر ممکن دلائل پیش کئے ہیں، لیکن ان دلائل کے درمیان اس مسئلے میں قیاس کا ذکر کہیں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتا، دونوں فریق اس بات پر پوری طرح متفق ہیں کہ حق شفعہ صرف انہیں لوگوں کو مل سکتا ہے، جنہیں سنت نے شفعہ کا حق دار قرار دیا ہو، اس سے آگے کسی بھی شخص کو قیاس کی بنیاد پر یہ حق نہیں دیا جا سکتا، آگے اختلاف صرف اس میں ہے کہ "سنت

سے کون کون شخص شفعہ کا حق دار ثابت ہوتا ہے؟ امام مالک اور امام شافعی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ "شریک ملکیت کے سوا سنت سے کسی اور حق دار کا پتہ نہیں چلتا، اور جن احادیث میں خلیط یا پڑوسی کا ذکر آیا ہے۔ وہ احادیث یا تو سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہیں، یا ان میں "پڑوسی" سے مراد شریک ملکیت ہی ہے۔

۵۵۔ اس کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ہم نوا فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں "پڑوسی" کا ذکر آیا ہے، وہ قابل اعتماد ہیں، اور ان میں صریح لفظ "پڑوسی" کلا ہے، جس کے ظاہری معنی ہی مراد لینے چاہئیں، اس کو "شریک ملکیت" کے مجازی معنی پر محمول کرنا درست نہیں، چنانچہ آج تک کسی حنفی فقیہ نے یہ نہیں کہا کہ اگر "پڑوسی" کا ذکر حدیث میں نہ ہوتا، یا وہ حدیث قابل اعتماد نہ ہوتی، تب بھی "پڑوسی" کو شفعہ کا حق ملنا چاہیئے تھا۔

۵۶۔ یہی وجہ ہے کہ اس اختلاف کے بعد جو سنت کی تشریح و تعبیر (Interpretation) ہی پر مبنی تھا، اور پہلی صدی ہجری ہی میں پیدا ہوگیا تھا، چودہ سو سال تک اس مسئلہ میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا، کہ شفعہ کا کوئی چوتھا حقدار نہیں ہوسکتا، اس پورے عرصے میں کوئی ایک فقیہ ایسا نہیں ملتا، جس نے کبھی کسی چوتھے حق دار کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہو، کہ حدیث میں اس کا ذکر نہ ہونے کے باوجود صرف قیاس کی بنا پر اسے شفعہ کا حق دینا چاہیئے۔

۵۷۔ یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ یہ مسئلہ ہر دور میں اجماعی طور پر طے شدہ رہا ہے، کہ شفعہ کا یہ خلاف قیاس حق صرف انہی لوگوں کو مل سکتا ہے، جن کا ذکر صراحۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو، اور محض قیاس اور رائے کی بنیاد پر کوئی شخص اس کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

۵۸۔ آخر میں فاضل ایڈووکیٹ نے یہ نکتہ بھی اٹھایا ہے کہ مزارع کو چونکہ مروجہ قانون کی رُو سے بیدخل نہیں کیا جاسکتا، اس لئے وہ زمیندار کا شریک ملکیت ہے، اور شریک ملکیت ہونے کی بنا پر اسے حق شفعہ حاصل ہے۔

۵۹۔ لیکن اس نکتہ پر تبصرہ کے لئے کسی مفصل بحث کی ضرورت نہیں، بیدخلی کے خلاف مروجہ قوانین کے باوجود مزارع کو نہ موجودہ قانون مالک تصور کرتا ہے، نہ شریعت، اگر مزارع قانون کی نظر میں مالک یا شریک ملکیت ہوتا، تو مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۱۱۵ اور زرعی اصلاحات سے متعلق دوسرے قوانین کی ضرورت نہ ہوتی، جن کا مقصد مزارعین کو مزارع کے بجائے زمینوں کا مالک قرار دینا تھا، لہٰذا ظاہر ہے کہ اس نکتہ میں کوئی وزن نہیں۔

۶۰۔ میرے فاضل برادر محترم جسٹس ایم۔ ایس۔ ایچ قریشی صاحب نے اپنے مجوزہ فیصلے میں ایک مسئلہ یہ اٹھایا ہے کہ "معاملات" سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کس حد تک امت کے لئے واجب العمل ہیں؟ انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" سے ایک اقتباس نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث کتب حدیث میں مدون ہوئی ہیں، وہ

دو قسم کی ہیں: ایک قسم ان احادیث کی ہے جو تبلیغ رسالت سے متعلق ہیں، اور دوسری قسم میں وہ احادیث آتی ہیں، جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں ہیں، اور اس دوسری قسم کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" اسی کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
میں ایک انسان ہوں، جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو، اور جو بات میں اپنی رائے سے کہوں، پس میں انسان ہوں،
إنما أنا بشر إذا أمرتکم بشیئ من دینکم فخذوا به، و إذا أمرتکم بشیئ من رأی فإنما أنا بشر "

محترم جسٹس قریشی صاحب کی رائے میں نہ صرف شفعہ کا معاملہ، بلکہ عبادات کے ماسوا، تمام "معاملات" دوسری قسم میں داخل ہیں، جن کا منشا سوسائٹی کی سہولت ہے، یہ احکام جامع اور مانع نہیں ہیں، اور نہ ان کا تعلق تبلیغ و رسالت سے ہے، لہٰذا اسٹیٹ کو ہر وقت اختیار رہے کہ وہ سہولت اور مصلحت کے پیشِ نظر ان میں ترمیم و اضافہ کرتی رہے۔

۶۱۔ مجھے اپنے فاضل بھائی کے پورے احترام کے ساتھ ان کے اس نقطۂ نظر سے شدید اختلاف ہے، اور اس سے کسی طرح اتفاق ممکن نہیں، کیونکہ یہ استدلال اس نقطۂ نظر پر مبنی ہے کہ اسلام اور بالخصوص سنت کے قطعی احکام صرف عبادات سے متعلق ہیں، اور "معاملات" یعنی بیع و شراء، تجارت و معیشت، سیاست و حکومت اور زندگی کے عام کاروبار سے متعلق اسلام نے کوئی معین اور قطعی حکم نہیں دیا، اور یہ معاملات دین کا حصہ ہی نہیں، یہ خالص دنیوی امور ہیں، جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، ظاہر ہے کہ دین کو صرف عبادات میں محدود کر دینے کا یہ تصور (جو بنیادی طور پر عیسائیت اور دوسرے مذاہب کا تصور ہے) اسلام سے میل نہیں کھا سکتا۔ اسلام میں "قیصر" اور "کلیسا" کی وہ تفریق روا نہیں جس پر عیسائی مذہب کی بنیاد ہے، اس کے بجائے اسلام کے احکام زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں، اور قرآن کریم اور سنت نبوی کے بیشمار ارشادات اس پر شاہد ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جو حدیث محترم جسٹس قریشی صاحب نے نقل فرمائی ہے، میں پہلے وہ پوری حدیث اس کے پورے سیاق و سباق (context) کے ساتھ نقل کرتا ہوں، کیونکہ اسی حدیث پر ان کا نقطۂ نظر مبنی ہے، اور اسی کو پورے طور پر دیکھنے سے حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے، یہ حدیث صحیح مسلم میں مروی ہے، اور اس کے پورے الفاظ یہ ہیں:

"عن موسی بن طلحة، عن أبیه، قال: مررت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم بقوم علی رؤس النخل، فقال: ما یصنع هولاء؟ فقالوا: یلقحونه. یجعلون الذکر فی الأنثی، فتلقح، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ما أظن یغنی ذالك شیئا،

قال : فأخبروا بذالك، فتركوه ، فأخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم بذالك، فقال: إن كان ينفعهم ذالك فليصنعوه فإني إنما ظننت ظناً، فلا تؤاخذوني بالظن ، ولكن إذا حدثتكم عن الله شيئاً فخذوا به ، فإني لن أكذب على الله عز وجل "

موسیٰ بن طلحہ اپنے والد حضرت طلحہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جو کہ کھجور کے درختوں پر چڑھے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ کھجور کی تأبیر (نر و مادہ درختوں میں جفتی کا عمل) کر رہے ہیں، اور نر کھجور کے کچھ حصے کو مادہ کھجور کے کچھ حصے پر ڈال رہے ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرا تو گمان نہیں ہے کہ اس عمل سے کچھ فائدہ ہوگا" آپ کا یہ ارشاد بعض لوگوں نے ان حضرات تک پہنچا دیا، (جو تأبیر کر رہے تھے) چنانچہ انہوں نے یہ عمل ترک کر دیا، بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا (کہ انہوں نے آپؐ کے اس ارشاد کی بنا پر تأبیر ترک کر دی ہے) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر اس عمل سے انہیں فائدہ پہنچتا ہے تو ان کو چاہیئے کہ وہ کرتے رہیں، میں نے تو اپنے ایک گمان کا اظہار کیا تھا، میرے گمان پر مؤاخذہ نہ کیا کرو، لیکن جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کوئی بات بتاؤں تو اس پر ضرور عمل کرو، کیونکہ میں اللہ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتا"

(صحیح مسلم، ص ۲۶۴ ج ۲ طبع کراچی، کتاب الفضائل، باب امتثال ما قالہ شرعا الخ)

۶۲۔ اس پورے واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معین شرعی حکم نہیں دیا تھا، بلکہ اپنے ایک گمان کا اظہار فرمایا تھا، کہ یہ عمل بے فائدہ ہوگا، چنانچہ "تأبیر نخل" کے عمل کو دیکھ کر آپؐ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے، وہ مذکورہ بالا روایت کی رو سے یہ تھے: "میرا تو گمان نہیں ہے کہ اس عمل سے کچھ فائدہ ہوگا"

یہی واقعہ حضرت رافع بن خدیجؓ کے حوالہ سے بھی صحیح مسلم ہی میں مروی ہے، انہوں نے آپؐ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

" لعلكم لو لم تفعلوا كان خيرا "

اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو۔

یہی واقعہ حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے، انہوں نے آپؐ کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:۔

" لو لم تفعلوا لصلح "

"اگر تم ایسا نہ کرو تب بھی ٹھیک رہیگا"

سنن ابن ماجہ میں یہی واقعہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے، انہوں نے بھی یہی الفاظ نقل کئے ہیں:

"لولم یفعلوا لصلح"

"اگر وہ ایسا نہ کریں تب بھی ٹھیک رہے گا۔"

(سنن ابن ماجہ، ص ۸۲۵ ج ۲ طبع بیروت، کتاب الرھون، باب نمبر ۱۵ حدیث نمبر ۲۴۷۱)

بعینہٖ یہی الفاظ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں کے حوالے سے روایت فرمائے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد ص ۱۲۳ ج ۶)

۶۳۔ ان تمام روایتوں سے مجموعی طور پر جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تابیر نخل کے بارے میں جو بات ارشاد فرمائی، وہ کوئی ممانعت کے انداز کا حکم نہیں تھا، بلکہ اپنے اس گمان کا اظہار کیا تھا کہ شاید یہ عمل مفید نہ ہو، اور اس کے بغیر بھی کھجور پھل لے آئے، آپؐ نے اس وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے، ان میں یہ بات واضح تھی کہ یہ بات کسی شرعی ممانعت کے طور پر نہیں، بلکہ ایک سرسری گمان کے طور پر کہی جا رہی ہے، لیکن مذکورہ صحابہ کرامؓ نے آپ کے اس گمان کو بھی واجب العمل سمجھ کر تابیر کا مکمل ترک کر دیا، تو آپؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ:

"فانی إنما ظننت ظنا، فلا تؤاخذونی بالظن، ولکن إذا حدثتکم عن الله شیئا فخذوه۔"

"میں نے تو اپنے ایک گمان کا اظہار کیا تھا، پس تم میرے گمان پر میرا مؤاخذہ نہ کیا کرو، لیکن جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کوئی بات بتاؤں، تو اس پر ضرور عمل کرو۔"

اور حضرت انسؓ نے آپؐ کا یہ ارشاد ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

"أنتم أعلم بأمر دنیاکم۔"

"اپنی دنیا کے معاملات کو تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔"

(صحیح مسلم، ص ۲۶۴ ج ۲)

اور حضرت عائشہؓ یہ الفاظ نقل کرتی ہیں:

"إذا کان شیئا من أمر دنیاکم فشأنکم به، وإذا کان شیئا من أمر دینکم فإلیّ۔"

"اگر کوئی معاملہ تمہاری دنیا سے متعلق ہو تو تم جانو، اور اگر کوئی معاملہ تمہارے دین سے متعلق ہو تو وہ میرے سپرد کرو۔"

(سنن ابن ماجہ ص ۸۲۵ ج ۲، و مسند احمد ص ۱۲۳ ج ۶)

اور اسی ارشاد کو عکرمہ بن عمارؒ نے حضرت رافع بن خدیجؓ کے حوالے سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"إنما أنا بشر، إذا أمرتكم بشيئ من دينكم فخذوا به،
وإذا أمرتكم بشيئ من رأيي فإنما أنا بشر، قال عكرمه: أونحو هذا،"

"میں تو ایک بشر ہوں، جب تمھیں تمھارے دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو، اور اگر تمھیں کسی بات کا اپنی رائے سے حکم دوں، تو میں تو ایک بشر ہوں، عکرمہ (جو حدیث کے راوی ہیں) کہتے ہیں کہ" یا پھر آپ نے اسی جیسے کوئی اور الفاظ استعمال فرمائے۔"

(صحیح مسلم ص ۲۶۴ ج ۲)

۶۴۔ یہ ہے پورا واقعہ، اور اس کا صحیح سیاق و سباق۔ اس پورے واقعے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان امور کے بارے میں ہے جن کا تعلق خالص تجربے اور مشاہدے سے ہوتا ہے، اور ان کو شریعت سے حرام اور حلال قرار دینے کے بجائے مباح قرار دیا ہے، اور آپ کا مقصد یہ ہے کہ ایسے امور میں اگر کوئی بات میں محض اپنے گمان سے کہہ دوں، کہ شاید فلاں کام مفید یا فلاں کام مضر ہو، تو یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہوتا، جس کی پابندی بہرحال لازم ہو، کیونکہ وہ محض ایک سرسری اظہار خیال ہے، سرے سے کوئی حکم ہے ہی نہیں، چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ، جو صحیح مسلم کے مستند ترین شارح ہیں، اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"لم یکن هذا القول خبرًا، وإنما کان ظنا، کما بینه فی هذه الروایات، قالوا: ورأیه صلی الله علیه وسلم فی امور المعایش، وظنه کغیره، فلا یمتنع وقوع مثل هذا، ولا نقص فی ذالك، وسببه تعلق همهم بالآخرة ومعارفها"۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد (کہ میرا تو گمان نہیں ہے کہ اس عمل سے کچھ فائدہ ہوگا) کوئی پیشگوئی نہ تھی، بلکہ محض ایک گمان تھا، جیسا کہ ان روایات میں آپ نے خود بیان فرمایا ہے، چنانچہ علماء نے کہا ہے کہ زندگی کے اس قسم کے امور میں آپ کی رائے اور گمان دوسروں کی طرح ہے، لہٰذا اس قسم کے واقعات کا پیش آجانا ناممکن نہیں، اور اس سے (معاذ اللہ) آپ کی شان میں کوئی نقص لازم نہیں آتا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی فکر آخرت سے زیادہ متعلق ہوتی ہے۔"

(نووی شرح مسلم ص ۲۶۴ ج ۲)

لیکن اس سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکالا جا سکتا کہ "معاملات" کے بارے میں اگر آپ کوئی باقاعدہ حکم دیں، یا کوئی قانون بتائیں، یا کسی تنازعے کا کوئی عدالتی فیصلہ فرمائیں، یا کسی شخص کے سوال کے جواب میں فتوے کے طور پر کوئی بات ارشاد فرمائیں تو وہ بھی کھجوروں کی تأبیر کے سلسلے میں آپ کے سرسری گمان کی طرح واجب التعمیل نہ ہوگی۔

۶۵۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد ان امور سے متعلق ہے جن کی بنیاد خالصۃً تجربے اور مشاہدے پر ہوتی ہے، اس میں نہ حرام و حلال کا کوئی سوال ہوتا ہے، اور نہ ان سے حقوق العباد متعلق ہوتے ہیں، زمین سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں؟ زمین میں ہل کیسے چلایا جائے؟ اس کی صفائی کیونکر کی جائے؟ ان کی دیکھ بھال کے کیا طریقے ہیں؟ کون سے جانور سواری کے لئے زیادہ موزوں ہیں؟ فلاں بیماری میں کون سی دوا زیادہ مفید ہے؟ کونسی غذا زیادہ صحت بخش ہے؟ اس قسم کے معاملات ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کا تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ان معاملات کے بارے میں آپ کے ارشادات کی حیثیت رائے اور گمان کی ہے، شرعی حکم کی نہیں، تاہم جب تک خود آپ ہی کی طرف سے ایسی کسی رائے یا گمان کے خلاف کوئی بات سامنے نہ آئے، آپ کے گمان اور رائے کا درجہ بھی عام لوگوں کے گمان اور رائے سے بلند تر ہوگا۔

۶۶۔ خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، جن کے حوالے سے جناب جسٹس قریشی صاحب نے یہ حدیث اور آپ کے ارشادات کی یہ دو قسمیں نقل فرمائی ہیں، اگر ان کی اس پوری بحث کو پڑھا جائے تو اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے، یہاں میں ان کی اس بحث کے ضروری حصے مختصراً نقل کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

"اعلم ان ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ودوّن فی کتب الحدیث علی قسمین: احدھما ما سبیلہ سبیل تبلیغ الرسالۃ، وفیہ قولہ تعالیٰ: وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا، منہ علوم العباد وعجائب الملکوت، وھذا کلہ مستند الی الوحی، ومنہ شرائع، وضبط العبادات والارتفاقات بوجوہ الضبط المذکورۃ فیما سبق، وھذا بعضھا مستندۃ الی الوحی، مستند الی الاجتہاد، وہ اجتہادہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ الوحی لأنّ اللہ تعالیٰ عصمہ من أن یتقرر رأیہ علی الخطأ.....

..... وثانیھا ما لیس من باب تبلیغ الرسالۃ، وفیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم: إنما أنا بشر إذا أمرتکم بشیئ من دینکم فخذوا بہ، وإذا أمرتکم بشیئ من رأیی فإنما أنا بشر، وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قصۃ تأبیر النخل: فإنی إنما ظننت ظنا، فلا تأخذونی بالظن، ولکن إذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا بہ، فإنی لم أکذب علی اللہ. فمنہ الطب، ومنہ باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم، علیکم بالأدھم الأقرح، ومستندہ التجربۃ، ومنہ ما فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علی سبیل العادة دون العبادة ، وبحسب الاتفاق دون القصد، ومنه ما ذکره کما کان یذکر قومه ، ..... ومنه ما قصد به مصلحة جزئیة یومئذ ، ولیس من أمور اللازمة لجمیع الأمة ، وذالك مثل ما یأمر به الخلیفة من تعبئة الجیوش و تعیین الشعار۔"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث مروی اور کتب حدیث میں مدوّن ہیں ، وہ دو قسم کی ہیں، ایک وہ حدیثیں جن کا مقصد تبلیغ رسالت ہے، انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا (قرآن کریم میں) یہ ارشاد ہے کہ "رسول جو کچھ تمھیں دیں، وہ ان سے لے لو، اور جس چیز سے روکیں ان سے رُک جاؤ"۔ اس قسم کی حدیثوں میں ایک تو وہ احادیث آتی ہیں جو آخرت کے علوم اور عالم ملکوت کے عجیب حالات پر مشتمل ہیں، اور یہ حصہ تمامتر وحی پر مبنی ہے، اسی طرح اس قسم میں وہ احادیث داخل ہیں جن میں شرعی احکام، عبادات اور ارتفاقات (دُنیوی ضروریات) کو ان خاص طریقوں سے منظم کیا گیا ہے جن کا ذکر اس کتاب میں پہلے آچکا ہے، ان میں سے بعض احادیث کی بنیاد وحی ہے، اور بعض کی بنیاد آپ کا اجتہاد ہے، لیکن آپ کا اجتہاد بھی وحی کا درجہ رکھتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے معصوم بنایا ہے کہ آپ کی کوئی رائے غلطی پر باقی رہے.....

.... دوسری قسم ان احادیث کی ہے جو تبلیغ رسالت سے تعلق نہیں رکھتیں، اسی قسم کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد ہے، "میں تو ایک بشر ہوں، جب تمھیں تمھارے دین کے متعلق کسی بات کا حکم دوں، تو اس پر عمل کرو، اور اگر تمھیں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں تو بشر ہوں"۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کے نر و مادہ کو ملانے کے سلسلے میں فرمایا تھا: "میں نے تو اپنے ایک گمان کا اظہار کیا تھا، پس میرے گمان پر میرا مؤاخذہ نہ کرو، لیکن جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھیں کوئی بات بتاؤں، تو اس پر عمل کرو، کیونکہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولا"۔ اس دوسری قسم میں وہ احادیث آتی ہیں جو طب سے متعلق ہیں، نیز اسی میں آپ کے اس قسم کے ارشادات داخل ہیں جیسے آپ نے فرمایا کہ "وہ گھوڑا رکھو جو سیاہ ہو اور اس کی پیشانی پر ہلکی سفیدی ہو"، ان ارشادات کی بنیاد تجربے پر تھی، اسی طرح اس قسم میں آپ کے وہ افعال بھی داخل ہیں جو آپ نے عبادت کے بجائے عادت کے طور پر انجام دیئے، یا جو آپ سے قصداً نہیں، بلکہ اتفاقاً سرزد ہوئے، نیز اس میں وہ واقعات اور قصے بھی داخل ہیں جو آپ اپنی قوم کی طرح بیان فرمایا کرتے تھے، ....

اسی طرح اس قسم میں آپ کے وہ ارشادات بھی داخل ہیں جو آپ نے

کسی خاص دن میں کسی جزوی مصلحت کی بنا پر ارشاد فرمائے، اور پوری امت کیلئے لازمی امور کی حیثیت نہیں رکھتے، مثلاً جنگ کے دوران لشکروں کی صف بندی، اور لشکر کیلئے کوئی شعار (کوڈ ورڈ) مقرر کرنا"

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۸۱ تا ۲۸۳ طبع اصح المطابع کراچی)

۶۷۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اس پوری بحث کو سامنے رکھنے کے بعد اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ وہ "معاملات" سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دوسری قسم میں نہیں، بلکہ پہلی قسم میں داخل مان رہے ہیں، اور ان کے نزدیک بھی دوسری قسم کا تعلق صرف ان ارشادات سے ہے، جو خالصۃً تجربے اور مشاہدے پر مبنی ہوتے ہیں، اور ان کا حقوق اللہ یا حقوق العباد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۶۸۔ "ارتفاقات" حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور اصطلاح ہے، جس کی تشریح انہوں نے "حجۃ اللہ البالغہ" ہی کے صفحہ نمبر ۹۷ سے صفحہ ۹۹ تک کی ہے، مختصر لفظوں میں اس اصطلاح کا ترجمہ "زندگی کی ضروریات" سے کیا جا سکتا ہے، اس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے معیشت، خانہ داری، معاملات، سیاست، غرض ہر شعبہ زندگی کو شامل کیا ہے، ان "ارتفاقات" کے بارے میں مذکورہ بالا اقتباس کے آغاز ہی میں فرماتے ہیں: کہ ان کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ تبلیغ رسالت سے متعلق ہیں، اور پہلی قسم میں داخل ہیں، پھر "حجۃ اللہ البالغہ" کی دوسری جلد تمام تر انہی احادیث سے متعلق ہے، جو شاہ صاحب کے نزدیک پہلی قسم میں داخل ہیں، اور اس میں شاہ صاحب نے تفصیل کے ساتھ بیع و شراء سے لیکر شفعہ وغیرہ تک تمام معاملات کو شامل فرمایا ہے، اور ان کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، انہیں ابدی طور پر واجب العمل قرار دیا ہے۔

۶۹۔ حقیقت یہ ہے کہ "معاملات" دین کا اہم ترین شعبہ ہے، اور اگر دینی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے، تو ان کا تین چوتھائی حصہ "معاملات" پر مشتمل ہے، اور صرف ایک چوتھائی حصہ عبادات سے تعلق رکھتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف عبادات کے اس ایک چوتھائی حصے کی تعلیم کیلئے تشریف نہیں لائے تھے، بلکہ آپ زندگی کے ہر شعبے میں وہ ہدایات دینے کیلئے تشریف لائے تھے جن کے بارے میں عقل انسانی ٹھوکر کھا سکتی تھی، چنانچہ آپ نے "حقوق العباد" کی ادائیگی پر جس قدر زور دیا ہے، وہ کسی مسلمان سے مخفی نہیں، ان "حقوق العباد" کی تمام تر تفصیلات "معاملات" ہی کے ذیل میں آتی ہیں، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں نہایت مفصل احکام دیئے ہیں، ان تمام احکام شریعت کو یہ کہکر بے اثر نہیں کیا جا سکتا کہ وہ "تأبیر نخل" کے بارے میں آپ کے ایک سرسری گمان کی طرح غیر واجب العمل ہیں، ورنہ اس کے معنی اور کیا ہوں گے کہ اسلام بھی عیسائیت اور دوسرے مذاہب کی طرح صرف عقائد اور عبادات کا مذہب ہے، زندگی کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اور ان معاملات میں انسان جس بات کو بھی سہولت (convenience) اور (Exegency) کے مطابق سمجھے، اسے اختیار کرنے میں آزاد ہے، ظاہر ہے کہ دین اور دنیا میں اس درجہ تفریق کا یہ نظریہ قرآن و سنت کی تعلیمات میں کہیں فٹ نہیں ہو سکتا۔

۷۔ اگر خود دستور پاکستان کی دفعہ ۲۲۷ اور دفعہ ۲۳۰ پر غور کیا جائے تو وہ اس بنیاد پر مبنی ہیں کہ قرآن و سنت دونوں کے احکام زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں، اسی لئے عدالت ھذا کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جن ملکی قوانین کو قرآن و سنت کے خلاف پائے، اسے دفعہ نمبر ۲۰۳ کے طریق کار اور شرائط کے مطابق کالعدم قرار دیدے، اگر اسلام، اور بالخصوص سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام "معاملات" میں واجب التعمیل نہ ہوتے، تو یہ دفعہ تقریباً بے معنی تھی، اس لئے کہ ملکی قوانین کا تعلق عموماً "عبادات" سے نہیں" بلکہ "معاملات" ہی سے ہوتا ہے، لہٰذا جب دستور پاکستان ملکی قوانین کے سلسلہ میں "سنت" کو واجب الاتباع قرار دے رہا ہے، تو اس کے واضح معنی یہ ہیں کہ "معاملات" کے بارے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو واجب العمل قرار دیتا ہے، لہٰذا عدالت ھذا کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی "سنت" کے بارے میں یہ کہے کہ اس کا تعلق چونکہ "معاملات" سے ہے، اور "معاملات" کے بارے میں "سنت" واجب الاتباع نہیں، اس لئے یہ "سنت" واجب التعمیل نہیں ــــ ہاں یہ عدالت کسی حدیث کے بارے میں یہ قرار دے سکتی ہے کہ وہ مسلمہ اصولوں کی روشنی میں فلاں فلاں دلائل کی بنا پر زیر بحث مسئلے میں اطلاق پذیر (Applicable) نہیں ہوتی، اور اس مسئلہ پر میں پیچھے تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکا ہوں، جس میں شفعہ کی علت، حکمت اور قیاس کی شرائط پر کافی بحث آچکی ہے۔

۱۷۔ خاص طور پر "شفعہ" کے معاملے کو اس لئے بھی کھجوروں کی تابیر کے واقعے سے منسلک نہیں کیا جا سکتا کہ کھجوروں کے واقعے میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کا کوئی واضح حکم دیا تھا، نہ قطعی رائے کے طور پر آپ نے کوئی پیشنگوئی فرمائی تھی، نہ وہاں کسی کے حق کا کوئی سوال تھا، اور نہ کوئی حلال و حرام کا مسئلہ زیر بحث تھا، اس کے برخلاف "شفعہ" کے بارے میں جن احادیث کا اس فیصلے میں پہلے ذکر آیا ہے، اور "بیع و شراء" کے متعلق قرآن و سنت کے جو ارشادات میں نے فقرہ نمبر ۴ سے فقرہ نمبر ۱۰ تک ذکر کئے ہیں، وہ سب کے سب باقاعدہ احکام ہیں، جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، وہاں کسی گمان یا ذاتی خیال کا کوئی سوال نہیں، بلکہ حلال و حرام کا مسئلہ ہے، چنانچہ بعض روایتوں میں شفعہ سے متعلق صراحۃً یہ الفاظ استعمال بھی ہوئے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا یحل له أن یبیع حتی یؤذن شریکه، فإن شاء أخذ، وإن شاء ترك، فإذا باع ولم یؤذنه فهو أحق به۔

مالک زمین کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی زمین بیچے، جب تک کہ اپنے شریک کو اس کی اطلاع نہ دیدے، پھر وہ چاہے تو اسے لے لے، اور چاہے تو چھوڑ دے، لیکن اگر اس نے وہ زمین بیچ دی، اور اسے نہ بتایا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔"

(صحیح مسلم، ص ۳۲ ج ۲، باب الشفعۃ)

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے:

لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه۔

"کسی شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔"

(مشکوۃ المصابیح، ص ۵۵، ج ۱)

اور حضرت اُبو حمید ساعدی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

"لا یحل لمسلم أن یأخذ عصا أخیه بغیر طیب نفس منه"

"کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اُس کی خوش دلی کے بغیر لے"

(موارد الظمآن، ص ۲۸۳۔ الردفتہ۔ شام)

۷۲۔ ان احادیث میں خط کشیدہ الفاظ صراحۃً بتا رہے ہیں کہ خرید و فروخت اور شفعہ کا معاملہ "تأبیر نخل" کی طرح محض نجی مشورے، رائے اور گمان کا نہیں، بلکہ "حلال و حرام" کا، اور لوگوں کے قانونی حق کا ہے، ظاہر ہے کہ لوگوں کو حلال و حرام سے آگاہ کرنا، اور ان کے شرعی حقوق متعین کر کے بتانا "تبلیغ رسالت" کا ایک اہم حصہ ہے، جسے سہولت کی بنیاد پر قائم کردہ رائے قرار دیکر اس سے صرف نظر ممکن نہیں، ان تمام احکام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے، جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ "میرا تو گمان نہیں ہے کہ اس عمل سے کچھ فائدہ ہوگا" اور "اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو"۔

۷۳۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے دوسرے طبقات کی طرح مزارع کو بھی بڑے حقوق عطاء فرمائے ہیں، اور اگر وہ طبقہ ظلم وستم کا شکار ہے، یا شدید محنت کے باوجود اپنی محنت کا مناسب صلہ نہیں پاتا، تو اسلامی حکومت کا فرض ہے، کہ وہ اس ظلم وستم کو دُور کرنے اور اسے محنت کا مناسب صلہ دلوانے کیلئے ضروری اقدامات کرے، لیکن یہ اقدامات قرآن وسنّت کے عطا کئے ہوئے دائرے میں رہ کر ہونے چاہئیں، یہ دائرہ چونکہ خالقِ کائنات کا بنایا ہوا ہے، اس لئے اس میں ہر طبقے کی واقعی ضروریات مکمل توازن کے ساتھ پوری ہوتی ہیں، اور اس افراط و تفریط سے نجات ملتی ہے جس نے دنیا کو تہ و بالا کیا ہوا ہے، اس متوازن دائرے سے قطع نظر کر کے اور محض چلتے ہوئے نعروں سے متاثر ہو کر ایسے اقدامات تجویز کرنا جو قرآن و سُنّت کے احکام اور اسلام کے مسلمات کے خلاف ہوں، مسئلے کا کوئی حل نہیں ہیں۔

۷۴۔ بہر کیف! پہلی تنقیح کا جواب نفی میں ہے، اور شفعہ کے تین مسلّم حق داروں پر کسی اور قسم کے حق دار کا اضافہ قرآن وسُنّت کے احکام سے متصادم ہے۔

حق داران شفعہ میں ترتیب:

۷۵۔ دوسرا تنقیح طلب مسئلہ یہ تھا کہ شفعہ کے تین حق داروں کے درمیان اسلامی فقہ میں جو ترتیب رکھی گئی ہے، کہ پہلا حق شریک کا ہے، دوسرا شخص کا جو متعلقہ جائیداد کے حقوق میں شریک ہو، اور تیسرا اس شخص کا جو پڑوسی ہو، آیا اس ترتیب کو کسی قانون سازی کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے؟

۷۶۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شفعہ چونکہ خلاف قیاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے، اس لئے اس میں ترتیب بھی وہی رہے گی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی، اور حضرت عامر شعبی سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الشفيع اولى من الجار، والجار اولى من الجنب"

"شفیع (شریک) پڑوسی کے مقابلے میں قابلِ ترجیح ہے، اور پڑوسی دوسرے پہلو والوں پر فوقیت رکھتا ہے"

(مصنف عبدالرزاق ص ۹، ج ۸ حدیث نمبر ۱۴۳۹۰ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۶ ج ۷، حدیث نمبر ۲۷۶۴)

اور اس ترتیب کا ذکر قاضی شریح نے اس طرح فرمایا ہے:

"الخليط احق من الشفيع، والشفيع احق من الجار، والجار عمن سواه"

"شریک کا حق شفیع (حقوق مبیع کی بنا پر شفعہ کرنے والے) سے زیادہ ہے، اور شفیع کا حق پڑوسی سے، اور پڑوسی کا حق باقی تمام لوگوں سے زائد ہے"

(مصنف ابن ابی شیبہ، ص ۱۶۷ ج ۷، حدیث نمبر ۲۷۶۷ و نصب الرایہ للزیلعی ص ۱۷۶ ج ۴، بحوالہ طحاوی و عبدالرزاق)

اور حضرت ابراہیم نخعی اس ترتیب کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

"الشريك احق بالشفعة، فان لم يكن له شريك فالجار"

"شریک شفعہ کا زیادہ حق دار ہے، اگر وہ نہ ہو تو پھر پڑوسی"

(مصنف ابن ابی شیبہ، ص ۱۶۷ ج ۷، حدیث نمبر ۲۷۶۸)

لہٰذا اس ترتیب میں کوئی تبدیلی سنت کے خلاف ہوگی۔

۷۷۔ زیرِ نظر مقدمات میں حق داران شفعہ کے درمیان ترتیب کا مسئلہ اس لئے زیرِ بحث آیا ہے کہ مارشل لاء ریگولیشن ۱۹۷۲ء کے فقرہ ۲۵، شق ۳ ذیل ڈی میں مزارع کو شفعہ کا سب سے پہلا حق دیا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک فروخت شدہ زمین میں شریک ملکیت اور مزارع دونوں موجود ہوں تو شریک ملکیت کو شفعہ کا حق نہیں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ یہ حکم ان تمام احادیث کے خلاف ہے، جن میں شریک ملکیت کو شفعہ کا حق دیا گیا ہے، مثلاً:

"من كان له شريك في حائط، فلا يبيع نصيبه من ذالك حتى يعرضه على شريكه"

"جس شخص کا کسی باغ میں کوئی شریک ہو تو وہ اس باغ میں اپنا حصہ ہرگز فروخت نہ کرے جبتک کہ اس کی پیشکش پہلے اپنے شریک کو نہ کرلے"

(جامع ترمذی، کتاب البیوع، حدیث نمبر ۱۳۱۲)

اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الشريك شفيع"

"شریک ملکیت شفعہ کا حق دار ہے"

(جامع ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء ان الشریک شفیع، حدیث نمبر ۱۳۷۱)

۷۸۔ یہاں شریک کو کسی شرط کے بغیر شفعہ کا حق دار قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اس کا حق سب سے مقدم ہے، اس کے برخلاف پڑوسی کو شفعہ کا حق آپ نے اس صورت میں عطا فرمایا جب کوئی شریک موجود نہ ہو، چنانچہ حضرت شرید رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

"ان رجلا قال: یا رسول اللہ! ارضی لیس لاحد فیھا شرکۃ، ولا قسمۃ، الا الجوار، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الجار احق بسقبہ"

"ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری زمین میں نہ کسی کی شرکت ہے، اور کسی تقسیم کی ضرورت، البتہ پڑوسی ہے، اس پر آپ نے فرمایا کہ پڑوسی دوسروں کے مقابلے میں شفعہ کی وجہ سے (زمین کا) زیادہ حق دار ہے"

(سنن النسائی، کتاب البیوع، باب ذکر الشفعہ واحکامہا، ج ۷، ص ۳۲۰، طبع مصر۔ وسنن ابن ماجہ، ص ۸۳۳ ج ۲، حدیث نمبر ۲۴۹۶، کتاب الشفعۃ)

۷۹۔ لہٰذا جب شریک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا علی الاطلاق (absolutely) زیادہ حق دار دیا ہے، اور پڑوسی کو دوسرے کے مقابلے میں زیادہ حق دار قرار دیا ہے، تو اس ترتیب میں کوئی تبدیلی سنت کے خلاف ہوگی، چہ جائیکہ کہ ایک ایسے شخص کو ان تمام قسموں پر فوقیت دی جائے، جس کو سنت میں شفعہ دیا ہی نہیں گیا، اور جسے پہلی تنقیح کے مطابق شفعہ کا حق دار قرار دینا قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

شفعہ سے بعض زمینوں کا استثناء:

۸۰۔ تیسرا تنقیح طلب مسئلہ یہ تھا کہ آیا بعض خاص خاص زمینوں کو شفعہ کے قانون سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے؟

۸۱۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "سنت" میں شفعہ کا حق صرف ان زمینوں پر دیا گیا ہے جو کسی انسان کی شخصی ملکیت ہوں، شفعہ سے متعلق جو احادیث اس فیصلے میں ذکر کی گئی ہیں، ان میں یہ بات واضح ہے کہ وہ شخصی ملکیت کی اراضی سے متعلق ہیں، مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

"ایکم کانت لہ ارض، او نخل، فلا یبعھا حتی یعرضھا علی شریکہ"

"تم میں سے جس شخص کی ملکیت میں کوئی زمین یا نخلستان ہو، تو وہ اس کو اس وقت تک نہ بیچے جب تک اپنے شریک کو اس کی پیشکش نہ کرلے۔

(سنن النسائی، کتاب البیوع، باب الشرکۃ فی النخل، ص ۲۲۳، ج ۲، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

۸۲۔ اس حدیث سے واضح ہے کہ شفعہ سے متعلق تمام احکام ان زمینوں سے متعلق ہیں جو شخصی ملکیت میں ہوں، چنانچہ جو اراضی کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں ہیں، مثلاً سرکاری اراضی جو سرکار کی ملکیت ہوں، یا وقف اراضی، ان کے بارے میں شفعہ کا کوئی حق قائم نہیں ہوتا، فقہاء کرام نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، مثلاً علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:۔

وانما تجب فی الاراضی التی تملك رقابها، حتی لا تجب فی الاراضی التی حازها الامام للمسلمین یدفعها بزراعة، وانما تجب لحق الملك فی الاراضی...... ومالا یجوز بیعه فی العقارات کالاوقاف، والحانوت المسبل، فلا شفعة فی ذالك.

"شفعہ صرف اراضی میں واجب ہوتا ہے جو کسی کی ذاتی ملکیت میں ہوں، چنانچہ جو اراضی امام (حکومت) نے عام مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے سرکاری قبضے میں لے لی ہوں، اور انہیں مزارعت پر دے رکھا ہو، ان میں شفعہ جاری نہیں ہوتا، کیونکہ شفعہ اراضی کی شخصی ملکیت کی بنیاد پر واجب ہوتا ہے، .....(اسی طرح) جن غیر منقولہ جائیدادوں کی بیع (عام حالات میں) جائز نہیں ہوتی، جیسے اوقاف، اور وقف شدہ دُکانیں، ان میں بھی شفعہ نہیں ہے۔"

(البحر الرائق، ص ۱۳۸، ج ۸)

اور علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"ویشترط کونه مملوکا، کما علم مما قدمه ویاتی، فخرج الوقف، وکذا الاراضی السلطانیة"

"اور جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے، اور آئندہ بھی بیان ہوگا، شفعہ کے لئے زمین کا شخصی ملکیت میں ہونا ضروری ہے، لہٰذا وقف اور سرکاری مملوکہ زمینیں اس سے خارج ہیں۔"

(ردالمختار، ص ۱۵۲ و ۱۵۳، ج ۵، مطبوعہ کوئٹہ ۱۳۹۹ھ)

لہٰذا اگر شفعہ کے قانون میں وقف یا سرکاری مملوکہ آباد زمینوں کو شفعہ سے مستثنیٰ رکھا جائے، تو یہ اسلامی احکام کے عین مطابق ہوگا، وقف کے استثناء سے مسجدیں اور وہ شفاخانے، مسافرخانے، اور تعلیم گاہیں وغیرہ شفعہ کے اطلاق سے خارج ہوں گی، جن کو باقاعدہ وقف کر دیا گیا ہو، اسی طرح وہ تمام آباد زمینیں جو سرکاری ملکیت میں ہوں، ان کو بھی شفعہ کے اطلاق سے خارج کرنا ضروری ہے۔

۸۳۔ لیکن وہ زمینیں جو شخصی ملکیت میں ہوں، ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واضح ہے کہ:

"الشفعة فی کل شرك، من ارض، او ربع، او حائط"

"شفعہ ہر مشترک زمین میں واجب ہے، خواہ وہ مکان ہو، یا باغ۔"

(صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب الشفعہ، حدیث نمبر ۴۰۰۷)

نیز ارشاد ہے:

"ایکم کانت له ارض، او نخل، فلا یبیعها حتی یعرضها علی شریکه"

"تم میں سے جس شخص کی ملکیت میں کوئی زمین یا نخلستان ہو، تو وہ اس کو

اس وقت تک نہ بیچے، جب تک اپنے شریک کو اس کی پیشکش نہ کر لے۔"

(سنن النسائی کتاب البیوع، باب الشرکۃ فی النخل، ص ۲۳۳ ج ۲)

۸۴۔ انہی احادیث کی بنا پر تمام امت کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ شفعہ ہر قسم کی غیر منقولہ جائیداد میں واجب ہے، علامہ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اتفق الائمۃ علی ثبوت الشفعۃ فی العقار الذی یقبل القسمۃ۔"

"تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ہر وہ غیر منقولہ جائیداد جو قابل تقسیم ہو، اس میں شفعہ کا حق ثابت ہے۔"

(فتاوی ابن تیمیہ، ص ۳۸۱، ج ۳۰، طبع ریاض)

اور چونکہ شفعہ کا حق صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر خلاف قیاس طریقے سے ثابت ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر زمین پر شفعہ کا حق دینے کی صراحت فرمائی ہے، اس لئے اس میں کوئی استثناء سنت کے خلاف ہوگا، ایسے مواقع پر صرف شدید ضرورت کے غیر معمولی حالات ہی میں اسلامی اصولوں کی روشنی میں کوئی استثناء پیدا کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، اور وہ بھی عارضی اور بقدر ضرورت، لیکن بعض زمینوں کو دائمی طور پر شفعہ سے مستثنیٰ قرار دینا، یا صوبائی حکومت کو یہ اختیار دیدینا کہ وہ اپنی آزاد صوابدید سے جب چاہے، اور جس علاقے کو چاہے، شفعہ سے مستثنیٰ کر دے، اسلامی احکام سے مطابقت نہیں رکھتا۔

۸۵۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی احکام کی رو سے "شفعہ" جائیدادیں بڑھاتے رہنے کا ذریعہ نہیں، بلکہ اپنی جائز ملکیت کے استعمال میں پیش آنے والی تکالیف کو دور کرنے کا ایک راستہ ہے، اسی لئے شریعت نے اس حق کے استعمال پر از خود ایسی پابندیاں عائد فرمائی ہیں، کہ اسے صرف واقعی ضرورت مند شخص ہی استعمال کر سکے، اور کوئی شخص اس کا ناجائز استعمال کر کے دوسروں کو مبتلائے آزار نہ کرے۔ "طلب مواثبت"، "طلب اشہاد" اور "طلب خصومت" کے تفصیلی احکام جو محترم جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اپنے فیصلے میں بیان فرمائے ہیں، اسی مقصد کے لئے ہیں، اور اسی لئے بعض فقہاء کرام مثلاً امام محمدؒ نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ شفعہ کے مطالبہ کرنے والے کو دعوے کے وقت زرِ ثمن عدالت میں داخل کرنا چاہیئے،

(ملاحظہ ہو رد المختار، ص ۱۶۰، ج ۵)

اگر ان احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے تو شفعہ کے مقدمات خود بخود کم ہوں گے، اور صرف ضرورت مند لوگ ہی یہ مقدمات داخل کریں گے، اور کسی استثناء کی کوئی عملی ضرورت نہیں رہے گی۔

۴۔ شفعہ کا مقدمہ دائر کرنے کی مدت:

۸۶۔ چوتھا تنقیح طلب مسئلہ یہ ہے کہ شفعہ کا دعویٰ دائر کرنے کی زیادہ سے زیادہ مدت بیع کی تاریخ سے ایک سال، یا بعض حالات میں اس سے زائد مقرر کرنا اسلامی احکام کے مطابق ہیں یا نہیں؟

۸۷۔ اس مسئلے کا تعلق چونکہ بظاہر قانون میعاد سماعت سے ہے، اس لئے اس کی تفصیلات میں جانے سے قبل یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس قانون کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لینا اس عدالت کے دائرۂ اختیار

میں ہے یا نہیں؟ اس تحقیق کی ضرورت اس لئے ہے کہ دستورِ پاکستان کی دفعہ ۲۰۳ بی، جو فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیارِ سماعت کا تعین کرتی ہے، اس کی شق (بی) میں "قانون" کی تعریف سے ہر اس قانون کو خارج کر دیا گیا ہے جو کسی عدالت کے ضابطۂ کار سے متعلق ہو، جس کے نتیجے میں ضابطے کے قوانین (Procedural Laws) فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیارِ سماعت سے خارج ہیں، قانون میعادِ سماعت (Law of Limitation) کا تعلق چونکہ عموماً ضابطے کے قوانین سے سمجھا جاتا ہے، اس لئے بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ قانون میعادِ سماعت (Limitation Act) کی وہ دفعہ جس میں شفعہ کے مقدمہ کی میعادِ سماعت ایک سال قرار دی گئی ہے، اس کو فیڈرل شریعت کورٹ میں اختیارِ سماعت (Jurisdiction) نہ ہونے کی بنا پر چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

۸۸۔ لیکن اگر شفعہ کے اسلامی احکام پر غور کیا جائے تو صورتِ حال اتنی سادہ نہیں ہے، یہ مسئلہ اصولِ قانون (Jurisprudence) میں خاصا متنازعہ مسئلہ ہے، کہ قانون اصلی (Substantive Law) اور قانون ضابطہ (Procedural Law) کے درمیان خطِ امتیاز کس طرح کھینچا جا سکتا ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ ان دو قسموں کی ایسی جامع اور مانع تعریف اب تک نہیں کی جا سکی جو ہر اعتراض سے خالی ہو، اور کسی لگے بندھے (Hard and fast) اصول کی عدم موجودگی میں ہر قانون کا اس کی خصوصیات کی بنا پر الگ جائزہ لینا پڑتا ہے، کہ اسے "قانون اصلی" کہا جائے، یا "قانون ضابطہ"؟ ڈاکٹر پیٹن لکھتے ہیں:

> " One of the orthodot classification is that which distimguishes between substantive and procedural law, but it is difficult to draw a clear line betweem them.'
>
> (Patom: Jurisprudence iiird ed/P.536)

۸۹۔ تاہم مختلف آراء کے نتیجے میں اتنی بات مسلّم نظر آتی ہے کہ "حقوق پیدا کرنا" قانون ضابطہ کا نہیں، بلکہ قانون اصلی (Substantive Law) کا کام ہوتا ہے، جبکہ ان حقوق کو عدالت کے ذریعہ ثابت اور نافذ کرانے کا طریق کار مقرر کرنا قانون ضابطہ (Procedural Law) کا کام ہے، بالفاظِ دیگر حق کا وجود میں آنا اور باقی رہنا قانون اصلی سے معلوم ہوتا ہے، اور عدالت کے ذریعہ اس کا ثابت ہونا قانون ضابطہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔

۹۰۔ لہٰذا اگر ایک حق کے بارے میں یہ بات طے ہو کہ وہ کسی قانون اصلی (Substantive Law) کے ذریعہ وجود میں آچکا ہے، اور مسئلہ صرف اسے عدالت میں ثابت کرنے کا ہو، تو اس صورت میں میعادِ سماعت (Limition) یقیناً ضابطے (Procedure) کا مسئلہ ہوگا، لیکن اگر کسی حق کے وجود میں آنے (Existence) یا باقی رہنے (continuance) ہی کے لئے کوئی مدت ناگزیر ہو تو جو قانون اس مدت کا تعین کرے، وہ ضابطے کا قانون نہیں، بلکہ اصلی (Substantive) قانون ہے۔

۹۱۔ مثال کے طور پر اگر کسی قانون میں قرض کی وصولی کے لئے مقدمہ دائر کرنے کی زیادہ سے زیادہ مدت تین سال مقرر کی جائے، تو یہ ضابطے کا قانون ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ تین سال کے بعد قرض وصول کرنے

کا حق ختم ہو جائے گا، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ تین سال کے بعد اسے عدالت کے ذریعہ ثابت کرنیکا کوئی راستہ نہیں رہے گا، لیکن اگر کوئی قانون یہ کہے کہ جو شخص تین سال تک اپنی غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا ثبوت عدالت میں فراہم نہیں کریگا، وہ زمین کی ملکیت سے محروم ہو جائیگا، تو ظاہر ہے کہ اسے ضابطے کا قانون نہیں ۔ بلکہ اصلی قانون کہا جائے گا۔

۹۲۔ شفعہ کا مقدمہ دائر کرنے کیلئے جو مدت مقرر کی جاتی ہے، اس کا منشا صرف یہ نہیں ہوتا کہ اس مدت کے بعد بھی حق شفعہ تو باقی ہے، لیکن اس کا مقدمہ قابلِ سماعت نہیں رہا، بلکہ جیسا کہ آگے واضح ہوگا، اسلامی احکام کی رو سے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مدت تک اگر کسی شخص نے عدالت سے رجوع نہ کیا تو اس کے لئے شفعہ کا حق یا تو وجود ہی میں نہیں آئیگا، یا باقی نہیں رہیگا، لہٰذا اس مدت کا تعلق چونکہ حق کے وجود اور بقا سے ہے، اس لئے یہ ضابطے کا نہیں، قانون کا اصلی مسئلہ ہے۔

۹۳۔ اس کی ایک سادہ مثال قانون معاہدہ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۶ ذیل ۲ ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ اگر ایک فریق کی جانب سے ایجاب (Offer) کے بعد دوسرا فریق ایک مدت مناسب میں قبول (Acceptance) کا اظہار نہ کرے، تو ایجاب خود بخود منسوخ ہو جائیگا۔

۹۴۔ یہاں قبول (Acceptance) کیلئے ایک مدت مناسب پر چونکہ حق کا وجود و بقا موقوف ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ مدت ضابطے کا نہیں، بلکہ قانون اصلی کا جزو سمجھی جائیگی۔

۹۵۔ اسی طرح شفعہ میں شفیع کیلئے شریعت نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ بیع کا علم ہونے کے بعد ایک معقول مدت میں شفعہ کا مطالبہ کرے، جسکے تین مدارج (Stage) "طلب مواثبت" "طلب اشہاد" اور "طلب خصومت" کی شکل میں رکھے گئے ہیں، جن کی تفصیل جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اپنے فیصلے میں بیان فرمائی ہے، ان احکام کی رُو سے عدالت سے رجوع کرنا صرف اپنے حق کو ثابت کرنے اور نافذ کرنے کے لئے نہیں، بلکہ حق کو وجود میں لانے کے لئے ضروری ہے، فقہاء کرام نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر کوئی شخص "طلب مواثبت" اور "طلب اشہاد" کے بعد، لیکن مقدمہ دائر کرنے سے قبل ہی انتقال کر جائے، تو اسکے ورثہ شفعہ کا دعوی نہیں کر سکتے، خواہ مدت ابھی باقی ہو، کیونکہ عدالت سے رجوع کرنے سے قبل مرنے والے کا حق وجود ہی میں نہیں آیا، اور جو حق وجود میں نہ آئے، اس میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ (ہدایہ ص ۳۹۲ ج ۴)

۹۶۔ لہٰذا جس قانون کا مقصد ان مطالبات کے لئے کسی معقول مدت کا تعین ہو، جو حق کے وجود میں آنے کیلئے ناگزیر ہیں، اس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دستور پاکستان کی دفعہ ۲۰۳۔ بی کی شق (بی) کے مندرجہ ذیل الفاظ میں داخل ہے:۔

"Law Relating to the Procedure of Any Court."

لہٰذا میری رائے میں زیر بحث مسئلہ فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار سماعت سے باہر نہیں ہے۔

۹۷۔ اب میں اصل تنقیح کی طرف آتا ہوں۔ شفعہ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الشفعة كحل العقال":

"شفعہ اونٹ کی رسی کھولنے کی مانند ہے"

(سنن ابن ماجہ، ص ۱۸۲ طبع کراچی، حدیث نمبر ۲۵۰۰، و سنن بیہقی ص ۱۰۸ ج ۶ و اعلاء السنن، ص ۱۸ ج ۱۷)

۹۸۔ عربی محاورے کی رو سے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک اونٹ کی رسی کھولتے ہی اگر اس کو قابو کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ اختیار نہ کیا جائے، تو اونٹ بھاگ کھڑا ہوتا ہے، اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے، اسی طرح اگر بیع کا علم ہونے پر شفعہ کے مطالبے کا کوئی فوری اقدام نہ کیا جائے، تو شفعہ کا حق ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔

۹۹۔ اسی مفہوم کو قاضی شریح نے اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

"انما الشفعة لمن واثبها"

"شفعہ صرف اس شخص کا حق ہے جو اس کی طرف چھلانگ لگا کر جائے۔"

(مصنف عبد الرزاق، ص ۸۳ ج ۸، حدیث نمبر ۱۴۴۰۶)

اور حضرت عامر شعبی فرماتے ہیں:۔

"من بيعت شفعته، وهو شاهد لا ينكرها، فقد ذهبت شفعته"

"جس شخص کی موجودگی میں وہ مکان فروخت ہو، جس پر اسے شفعہ کا حق ہوتا، اور وہ اسکا انکار نہ کرے، تو اسکا حق شفعہ ختم ہو گیا۔"

(مصنف عبد الرزاق، ص ۸۳، ج ۸، حدیث نمبر ۱۴۴۰۵)

۱۰۰۔ لہٰذا ایسے شخص کو شفعہ کا حق دینا جو بیع کے علم میں آنے کے بعد تقریباً سال بھر تک شفعہ کیلئے کوئی کارروائی نہ کرے، سنت کے خلاف ہے، اور اس سے اس خریدار کی سخت حق تلفی لازم آتی ہے، جس نے جائز طور پر جائیداد خریدی ہے، اور وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، جس کی بنا پر بیع و شراء کے عام قوانین سے ہٹ کر شریعت نے شفعہ کا حق دیا ہے۔

۱۰۱۔ گزشتہ بحث میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شفعہ کا قانون اسلام کے عام قانون بیع و شراء سے ہٹ کر ایک غیر معمولی (Extra ordinary) قانون ہے، یہ قانون اس لئے نہیں بنایا گیا کہ اس کے ذریعہ کوئی شخص جائیدادیں بناتا چلا جائے، بلکہ اس کا مقصد اس تکلیف کو رفع کرنا ہے جو کسی شخص کو متصل جائیداد کی فروخت سے اپنی جائیداد کے استعمال میں واقع ہو، چنانچہ شفعہ کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ اس حق کے ثبوت کے لئے کچھ ایسی پابندیاں خود شریعت نے لگائی ہیں، جن سے ان افراد کا تعین ہو سکے، جو واقعۃً شفعہ کے ضرورت مند اور حق دار ہیں، انہی میں سے ایک پابندی یہ بھی ہے کہ شفعہ کا دعویٰ کرنے والا بیع کی اطلاع ملنے کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو، عدالت سے رجوع کرے، اگر وہ ایک معقول مدت میں عدالت سے رجوع نہیں کرتا، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حقیقی طور پر ضرورت مند نہیں ہے، اور اسے شفعہ کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔

۱۰۲۔ کسی معقول مدت میں شفعہ کا مطالبہ کرنے یا مقدمہ دائر کرنے کی یہ شرط کوئی ضابطے کی کارروائی نہیں

ہے۔ بلکہ شفعہ کے قانون اصلی (Substantive Law) کا لازمی جزو ہے، اور شفعہ کا جو قانون اس لازمی جزء سے خالی ہوگا، وہ سنت کے خلاف ہوگا، اسی طرح جو قانون اس شرط کو عام قانون میعاد سماعت پر قیاس کرکے میعاد سماعت کے تمام احکام اس پر جاری کرے، وہ بھی اسلامی احکام کے خلاف ہوگا، لہٰذا "معقول مدت" مدت کی یہ شرط قانون شفعہ کا ایک جز رہنی چاہیئے، جس کی بہتر صورت وہی "طلب مواثبت"، "طلب اشہاد" اور "طلب خصومت" ہے، جو فقہاء حنفیہ نے بیان کی ہے، اور جس کی تفصیل جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اپنے فیصلے میں بیان فرمائی ہے، "طلب مواثبت" اور "طلب اشہاد" پر عمل کرنے کے لئے بیع کا علم ہونے کے بعد کم سے کم ممکنہ مدت میں خریدار کے نام ایک نوٹس کا اجراء لازم کیا جا سکتا ہے، جس سے حدیث کا منشا پورا ہو جائے، اس کے بعد طالب خصومت یا مقدمہ دائر کرنے کیلئے کوئی ایسی معقول مدت مقرر کی جا سکتی ہے جس میں ایک واقعی ضرورت مند شخص عملاً مقدمہ دائر کر سکے، یہ مدت احادیث میں صراحۃً مقرر نہیں کی گئی، مختلف فقہاء نے مختلف مدتیں بیان فرمائی ہیں، جو زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں، لیکن اتنی بات احادیث سے واضح ہے کہ یہ مدت اتنی زیادہ نہیں ہونی چاہیئے، جسے غلط استعمال کیا جا سکے، اور جس کی بنا پر خریدار کا معاملہ بلا جواز ایک طویل مدت تک معلق ہو کر رہ جائے۔

نتائج بحث:

۱۰۳۔ مذکورہ بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ زیر نظر مقدمات میں شفعہ سے متعلق قوانین کی جن دفعات کو ہمارے سامنے قرآن و سنت کے خلاف ہونے کی بنا پر چیلنج کیا گیا ہے، وہ حسب ذیل تفصیل کے مطابق اسلامی احکام کے منافی ہیں:۔

(۱) لینڈ ریفارم ریگولیشنز ۱۹۷۲ء (مارشل لاء ریگولیشن ۱۱۵) کے پیرا نمبر ۲۵، کلاز نمبر ۳ کی پوری شق (ڈی) جس میں مزارع (tenant) اپنی زیر مزارعت زمین پر سب سے پہلا حق شفعہ دینے کی تصریح کی گئی ہے، قرآن و سنت کے احکام کے خلاف ہے۔

(۲) پنجاب پری ایمپشن ایکٹ ۱۹۱۳ء کی دفعہ نمبر ۵ کے مندرجہ ذیل احکام قرآن و سنت کے خلاف ہیں:

(الف) بائع کے متوقع وارثوں کو شفعہ کا حق دینا۔ (شق لے، اور شق بی کے ذیل "ثالثاً" (Thirdly) تک)۔

(ب) شریک ملکیت کے حق شفعہ کو دوسروں سے مؤخر کرنا۔ جبکہ سنت کی رو سے اس کا حق سب سے مقدم ہے، (شق بی کا ذیل "رابعاً" (Fourthly))۔

(ج) کسی علاقے (estate) کی پٹی، یا کسی دوسری ذیلی تقسیم (sub-division) کے مالکان کو اس علاقے میں واقع ہر جائیداد کی فروخت میں حق شفعہ دینا، نیز مزارعین کو یا شریک حقوق اور شرعی پڑوسی کے سوا کسی اور شخص کو شفعہ کا حق دار قرار دینا (شق سی)۔

(۳) این ڈبلیو ایف پی پری ایمپشن ایکٹ ۱۹۵۰ء کی دفعہ ۵ میں مختلف قسم کی غیر منقولہ جائیدادوں کو

شفعہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، اسی شق (بی) میں دھرم شالہ، مسجد، کلیسا، اور دوسرے خیراتی اداروں اور عمارتوں کو شفعہ سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، اگر یہ اراضی وقف ہوں تو شفعہ سے ان کا استثناء درست ہے، اور یہ سنت کے خلاف نہیں، لیکن ان میں جو عمارتیں شخصی ملکیت میں ہوں، ان کو شفعہ سے مستثنیٰ کرنا درست نہیں، اس کے علاوہ اس دفعہ میں جن نجی ملکیت کی اراضی کا استثناء کیا گیا ہے، وہ اسلامی احکام کے منافی ہے۔

(۴) این ڈبلیو ایف پی پری ایمپشن ایکٹ کی دفعہ، ذیل ۲ میں صوبائی حکومت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی علاقے، کسی بھی زمین، جائیداد، یا کسی خاص نوعیت کی ہر زمین یا جائیداد، یا کسی خاص بیع، یا کسی خاص نوعیت کی ہر بیع کو حق شفعہ سے مستثنیٰ کر سکتی ہے، یہ دفعہ بھی ان تفصیلات کے مطابق جو تنقیح نمبر ۳ کے جواب میں (بطور خاص پیراگراف نمبر ۱) بیان کی گئی ہیں، اپنے اس عموم کے ساتھ اسلامی احکام کے منافی ہے۔

(۵) پنجاب پری ایمپشن ایکٹ کی دفعہ ۳۰ اس لحاظ سے بھی اسلامی احکام کے منافی ہے، کہ اس میں شفعہ کا مطالبہ کرنے کے لئے اس معقول مدت کا ذکر نہیں ہے جو حق شفعہ کی لازمی شرط ہے، اس کے برعکس شفعہ کے مقدمے کو عام قانون میعاد سماعت کے تابع کر کے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی ہے۔

۱۰۴۔ واضح رہے کہ یہاں شفعہ سے متعلق قوانین کی صرف ان دفعات کا ذکر کیا گیا ہے، جن کو خاص طور پر ہمارے سامنے چیلنج کیا گیا ہے، لہٰذا ان دفعات کی تخصیص کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان قوانین کی باقی دفعات اسلامی احکام کے مطابق ہیں۔

۱۰۵۔ لہٰذا لینڈ ریفارمز ریگولیشن ۱۹۷۲ء (مارشل لاء ریگولیشن ۱۱۵) اور لمیٹیشن ایکٹ کے بارے میں وفاقی حکومت کو، پنجاب پری ایمپشن ایکٹ ۱۹۱۳ء کے بارے میں حکومت پنجاب کو اور این ڈبلیو ایف پی پری ایمپشن ایکٹ ۱۹۵۰ء کے بارے میں شمال مغربی سرحدی صوبے کی حکومت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ مذکورہ قوانین میں اس تاریخ تک جس کا ذکر کورٹ آرڈر میں ہے، اسلامی احکام کے مطابق ترمیم کر لیں، بصورت دیگر مذکورہ تاریخ سے یہ قوانین کالعدم سمجھے جائیں گے، مذکورہ ترمیمات کیلئے زیادہ مناسب اور آسان طریقہ یہ ہوگا کہ ان قوانین کو منسوخ کر کے اسلامی احکام کی روشنی میں قانون شفعہ از سر نو بنایا جائے، یا اسے شخصی قوانین کے طور پر چھوڑ دیا جائے۔

۱۰۶۔ ان تصریحات کے ساتھ شمال مغربی سرحدی صوبے کی حکومت کی اپیل نمبر ۳ و ۵، ۱۹۷۹ء خارج کی جاتی ہے، اور باقی تمام اپیلیں (اپیل نمبر ۲، ۱۹۸۱ء، اپیل نمبر ۵، ۱۹۸۱ء، اپیل نمبر ۷، ۱۹۸۱ء، اور اپیل نمبر ۱۵، ۱۹۸۱ء) منظور کی جاتی ہیں۔

(محمد تقی عثمانی)
رکن

حکم نامۂ عدالت

در شریعت اپیل نمبر ۴ و ۵ سنہ ۱۹۷۹ء و شریعت اپیل ۲ و ۵ و ۷ و ۱۵ سنہ ۱۹۸۱ء

ہم، جسٹس شفیع الرحمٰن صاحب کے فیصلے میں مذکور دلائل سے اتفاق کرتے ہوئے، کہ وفاقی شرعی عدالت کو اس بات کا اختیار تھا کہ وہ ان درخواستوں کی سماعت اور ان کا فیصلہ کرتی جن کی بنیاد پر زیر نظر اپیلیں عدالت ھذا میں دائر کی گئی ہیں، اس فیصلے کے مطابق حکم صادر کرتے ہیں۔

مسئلۂ زیر بحث کے متعلق، اکثریتی نقطۂ نظر کی پیروی کرتے ہوئے، سنہ ۱۹۷۹ء کی اپیل ۴ اور ۵ خارج کی جاتی ہیں، اور باقی تمام اپیلیں اس تفصیل کے مطابق منظور کی جاتی ہیں جو جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کے فیصلے کے آخری حصے میں بیان کی گئی ہے۔ اگر ممکن ہو تو ایک نیا جامع قانونِ شفعہ اس فیصلے کے مطابق زیادہ سے زیادہ ۳۱ جولائی سنہ ۱۹۸۶ء تک نافذ کر دیا جائے۔ مقدمے کے اخراجات کے بارے میں کوئی حکم جاری نہیں کیا جا رہا۔

محمد افضل ظلہ
چیئرمین

اعلان کیا گیا
۲۳ - ۲ - ۱۹۸۶ء

شفیع الرحمٰن
(رکن)

پیر محمد کرم شاہ
(رکن)

محمد تقی عثمانی
(رکن)
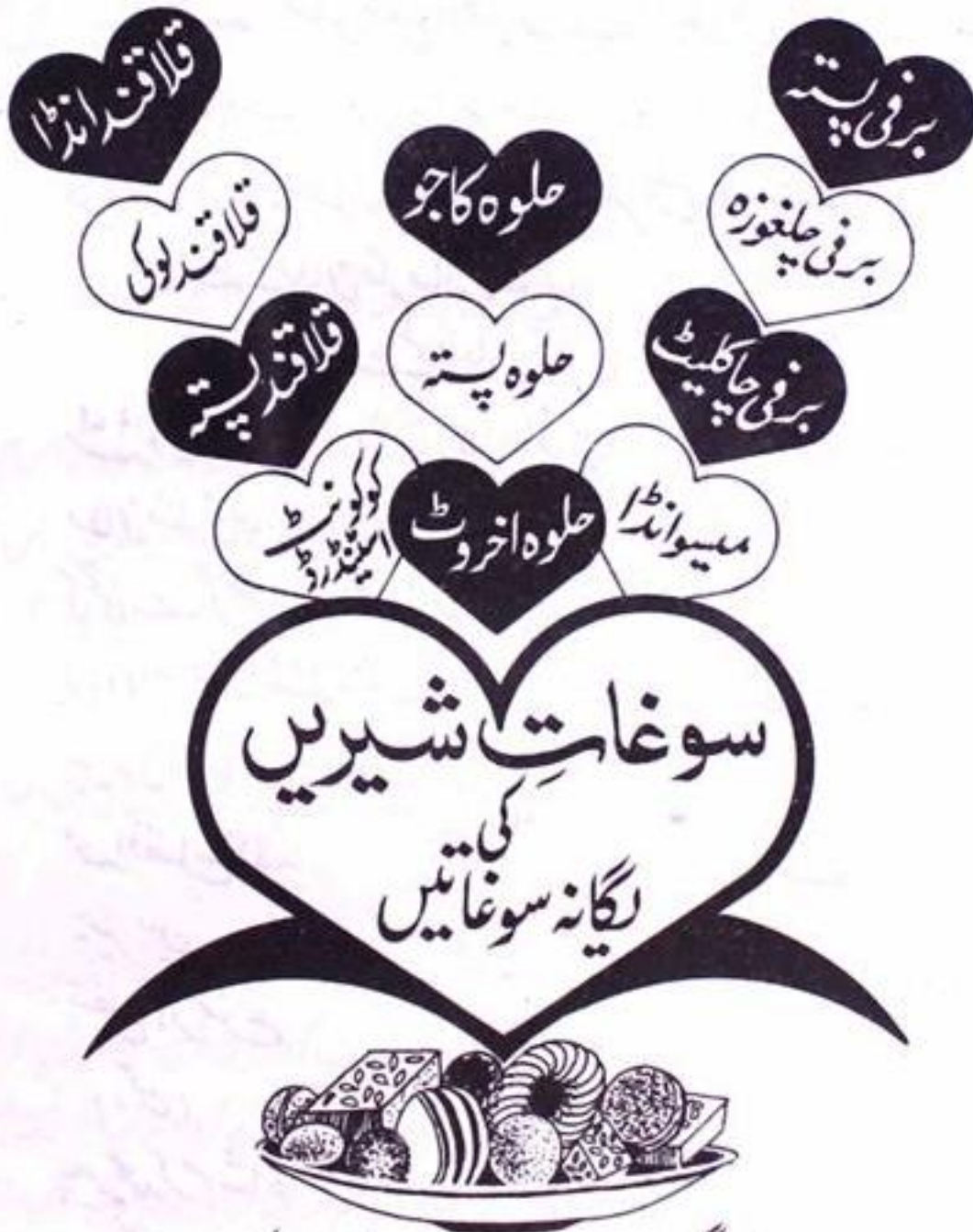
درجۂ تخصص کا داخلہ

جو طلبہ دارالعلوم کراچی میں درجۂ تخصص فی الافتاء کے اندر داخلے کے خواہش مند ہیں ان کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ ۲۴ شوال ۱۴۰۶ھ کو دارالعلوم تشریف لے آئیں۔ ۲۵ شوال ۱۴۰۶ھ کو تمام اُمیدواروں کا تحریری و تقریری امتحان ایک ساتھ ہوگا، اور جو طلبہ امتحان داخلہ میں کامیاب ہوں گے اُن میں سے دس طلبہ کامیابی کی ترتیب سے داخلے کیلئے منتخب کئے جائیں گے۔ اُمیدوار حضرات مندرجۂ ذیل امور ذہن نشین فرمالیں۔

۱۔ تخصص میں داخلے کیلئے ۲۴ شوال سے پہلے تشریف نہ لائیں۔ اس سے قبل دارالعلوم انکے قیام وطعام کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

۲۔ داخلے کیلئے کسی مستند دینی درسگاہ سے دورۂ حدیث میں درجۂ علیا کے نمبروں کے ساتھ کامیابی اولین شرط ہے، جس کا ثبوت ہمراہ لانا ضروری ہوگا۔

۳۔ اردو اور عربی رسم الخط میں صاف ستھری تحریر بھی داخلے کیلئے ضروری ہے، جن طلبہ کا خط خراب ہو، وہ داخلے کیلئے رجوع نہ فرمائیں۔

۴۔ دورانِ تعلیم کسی انجمن یا جماعت سے کسی قسم کا تعلق ممنوع ہوگا، نیز تخصص کے علاوہ کسی اور امتحان کی تیاری کی اجازت نہیں ہوگی۔ مخصوص حالات میں صدر صاحب دارالعلوم سے تحریری اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۵۔ امتحان داخلہ مندرجۂ ذیل کتب اور مضامین میں لیا جائے گا:۔

مشکوٰۃ المصابیح، ھدایہ کامل، نورالانوار، بحث کتاب وسنت، سراجی، شرح العقائد، اور ترجمۂ قرآن۔

تقریری امتحان میں عبارت نحوی وصرفی اعتبار سے درست پڑھنے کی صلاحیت کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائیگا، جس سے نحو وصرف کے ساتھ مناسبت ظاہر ہو، اور تحریری امتحان میں سلیقۂ تحریر کو مدنظر رکھا جائیگا۔

۶۔ درجۂ تخصص کے جو طلبہ مذکورہ بالا شرائط پوری کرینگے انکو قیام وطعام اور مبلغ تین سو روپے ماہانہ وظیفے کے ساتھ داخلہ دیا جائیگا۔
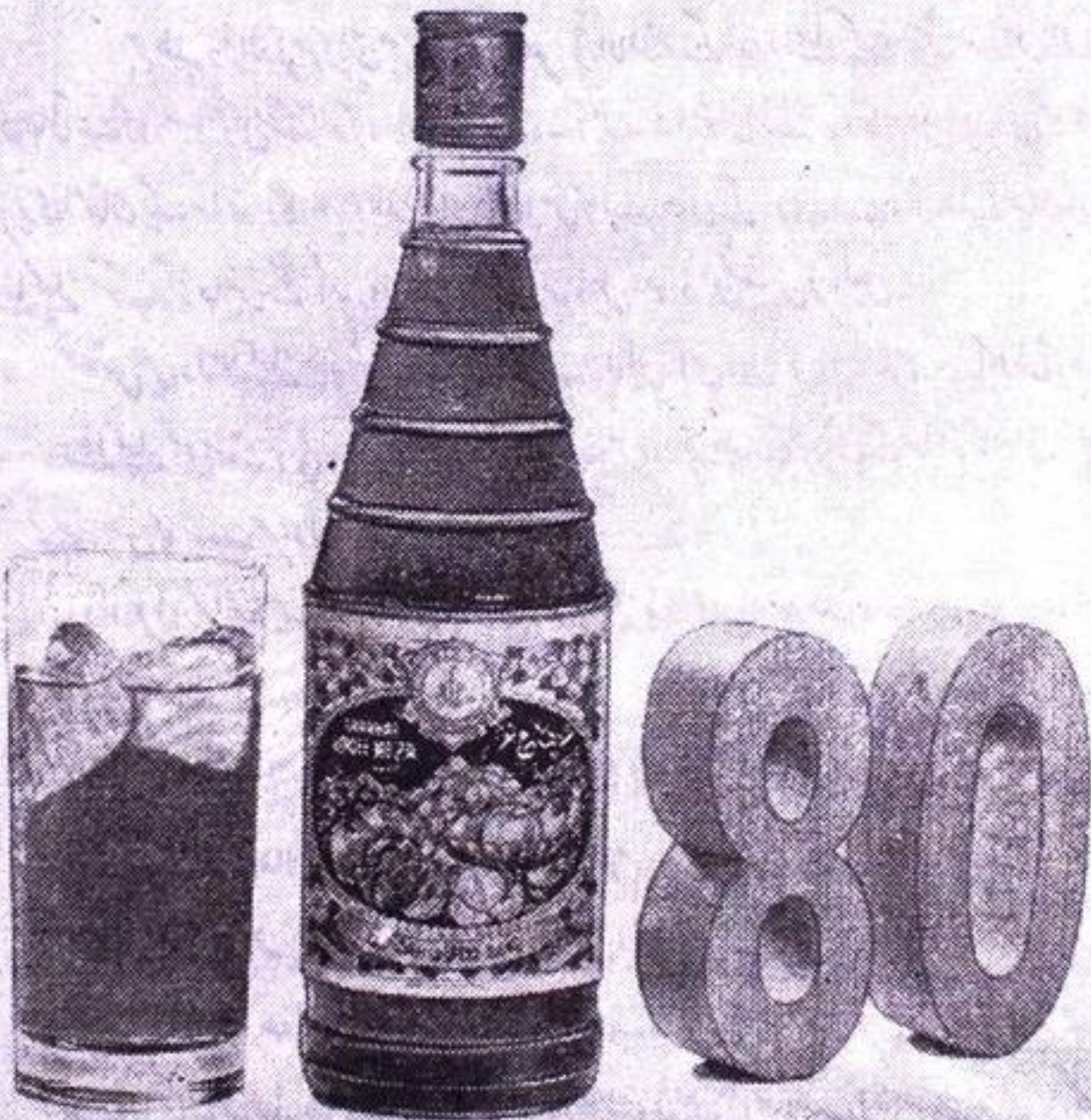
مرسلہ: جناب فاضل عثمانی

عورت اسلامی معاشرے میں

مسجدِ حرام میں شیخ عبداللہ بن سبیّل کا ایک خطبہ

اسلام کے نیر تاباں سے ظلم و جہالت کی تاریکیاں کافور ہوئیں، اور اندھیروں کے بادل چھٹے، قرآن کے عدل و انصاف سے باطل کے پرچم سرنگوں ہوئے، اسلامی شریعت و قوانین سے حقوق و محارم کی پاسداری ہوئی، مظلوموں اور بیکسوں کو عدل و انصاف کا پروانہ ملا، خصوصاً وہ عورت جو ظلم و جہالت کے دو پاٹوں میں پس رہی تھی اسلام نے اسے ہلاکت و پستی کے دہانے سے نکال کر رفعت و بلندیوں سے آشنا کیا، ارشادِ خداوندی ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل ۹۷)

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) بالُطف زندگی دیں گے اور آخرت میں اس کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

عورت اسلامی تعلیمات سے بہرہ مند ہو کر ۱۳ سو سال تک نعمتوں کے گہوارے میں پلتی رہی، اس کی آنکھیں خیر و صلاح، پاکیزگی و طہارت اور عفت و عصمت کے آبگینوں سے جلا پاتی رہی۔ مسلمان عورت ایک زمانے تک اصلاح و صلاح کا ذریعہ اور نئی نسلوں کی مربیہ بنتی رہی۔ اگر ہم غیر اسلامی معاشرے میں بسنے والی عورتوں کا تقابلی جائزہ لیں تو دین و دنیا میں مسلمان عورتوں کی فضل و برتری عیاں و بیاں نظر آئے گی۔ صنفِ نازک اپنی ان اوصاف و خصوصیات کے زیور سے آراستہ رہیں۔ یہاں تک کہ مشرق و مغرب میں شیطان کے بگل بجنے لگے، اور اس کے پیروؤں نے مسلمان عورت کو فریب کاریوں میں مبتلا کرنے کی ٹھان لی، اور اسے اس کے اسلامی قلعہ سے باہر نکال کر، سربازار رسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، اسے شمع محفل بنا کر بھیڑیئے نما انسانوں کے لئے لقمۂ تر بنایا، اس مقصد کے لئے

کتابیں تالیف ہوئیں۔ مقالات پر مقالات لکھے گئے۔ اور مختلف ادارے قائم ہوئے ان کا صرف ایک ہی آوازہ تھا کہ "پردے کی بندشوں کو پاش پاش کر دو، عورت کو اس کی چہار دیواری سے باہر لا کر کھڑا کر دو، پھر سے آزاد چھوڑ دو اس کی مرضی میں جو آئے کرے" خواہشات کے ان غلاموں کی مرضی پوری ہوتی گئی۔ انھوں نے مسلمان عورتوں کو دھیرے دھیرے ورغلانا شروع کیا۔ انھیں مکر و فریب کے خوبصورت جال میں پھانسا گیا، عورت نے سب سے پہلے تو اپنے لب و رخسار اور زلف و کاکل کی نمائش کی، پھر اپنی کلائیوں اور بازوؤں کو واشگاف کیا، پھر اپنی پنڈلیوں اور رانوں کو عریاں کیا، پھر اپنے سینے کی دلکشی کی طرف دعوتِ نظارہ دی، یہی نہیں بلکہ مردوں کے دوش بدوش چلی، اور خلوت وجلوت ہر گام پہ اختلاف کی گرم بازاری ہوئی، کرامت و شرافت کی قبائیں تار تار ہوئیں، یا خدا

پھر نہ پوچھیئے کہ اسلامی معاشرہ کن انارکیوں کا گہوارہ بنا، انھیں کن کن آفتوں کا سامنا کرنا پڑا، فسق و فجور کا کیسا دور دورہ ہوا، خاندانوں اور گھروں میں کہاں کہاں خرابیاں گھر کر گئیں، اور اخلاقی قدریں انحراف و انارکی کے کس ڈگر پر چل پڑیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھا دے تاکہ وہ باز آجائیں۔

(الروم آیت ۴۱)

کیا آپ جانتے ہیں کہ عریانی اور بے حیائی، بے پردگی اور بے غیرتی اور اختلاط و یکجائی کی صدا بلند کرنے والوں کے پیچھے کیا روح کارفرما ہے؟ وہ دراصل آزادی اور بے پردگی کے نام پر اپنے جذبات کی تسکین چاہتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ۝

اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ کہ شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔

(النساء ۲۷)

اگر ہم مسلمانوں کی اس افسوس ناک صورتحال اور ان کے موجودہ ابتلاء و آزمائش سے ماقبل کے احوال اور بعد کی فتنہ سامانیاں و آوارہ گردیاں جن کا وہ شکار ہوئے۔ کا موازنہ دینی و دنیاوی نفع و نقصان کے ترازو سے کریں تو دنیاوی خسارہ واضح نظر آئے گا۔ میں یہاں صرف دینی نفع و نقصان کا نام نہیں لونگا۔ کیونکہ دینی نقصان اور گھاٹا تو اظہر من الشمس ہے۔ یہ زبردست نقصان ہے جو مسلمانوں کے سروں پر آفت بن کر گرا۔ بلکہ یہی نہیں بلکہ بے پردگی اور حیائی کی ماری سولہ دسنگار سے لدی، اور اختلاط کی شکار عورت زنا جیسے جرائم کا سبب بنتی ہے۔ اور زنا و سود کاری وہ امراض ہیں کہ جب کسی شہر و بستی میں انکا دور دورہ

ہو جاتا ہے تو پھر عذاب خداوندی میں وہ گھر جاتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے۔

ولا فشی الزّنا فی قوم قط اِلّا کثر فیھم الموت۔ — جب بھی کسی قوم میں زنا کا دور دورہ ہوا تو اس میں موت کی زیادتی ہو گئی۔ (ترمذی باب الفتن)

مسلمانو! یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت کو اپنے گھر کی زینت بن کر رہنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی۔ — تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق مت پھرو۔

اس میں عورت کی حفاظت ہے۔ اس میں فتنوں سے امن و امان ہے۔ اسی میں شیطانی وسیہ کاریوں سے نجات ہے۔ عورت اگر اپنے گھر کی زینت بن کر رہے تو وہ اپنے معبود سے قریب تر ہے جیسا کہ امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

المرأۃ عورۃ، وانھا اذا خرجت من بیتھا استشرفھا الشیطان، وانھا اقرب الی اللہ منھا فی قصر بیتھا۔ — عورت کی ذات قابل ستر و پوشیدگی ہے اور جب وہ اپنے گھر سے نکل پڑتی ہے تو شیطان فخر محسوس کرتا ہے وہ خدا سے قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے قلعہ میں محفوظ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس کی نماز کو جو وہ گھر میں ادا کرتی ہے مسجد میں ادا کرنے سے افضل کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن۔ — اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے مت روکو، اور ان کے لئے ان کے گھروں میں نماز پڑھ لینا زیادہ بہتر ہے۔

عورت جس وقت بن سنور کر نکلتی ہے تو وہ مردوں کے لئے فتنوں اور آفتوں کا سامان کرتی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء۔ — میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑھکر زیادہ ضرر رساں سامان فتنہ نہیں چھوڑا۔

نیز ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

لو علم رسول اللہ ما احدث النساء وبعدہ لمنعھن من المسجد۔ — اگر رسول اللہؐ کو علم ہو جاتا کہ آپ کے بعد عورتوں نے کیا کچھ کیا تو وہ انھیں مسجدوں سے ضرور روک دیتے

نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر شے کیا ہے تو آپ نے فرمایا:۔

ان لاتری الرجال، ولا یروھا۔ — وہ نہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مرد انھیں دیکھیں

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو مندرجہ ذیل آداب سکھائے، فرمایا:۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۔

(النور ۳۱)

اور مسلمان عورتوں سے بھی کہدیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (مواقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں میں ڈالے رکھا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں، مگر اپنے شوہروں پر، یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی و علاتی یا اخیافی) بھائیوں پر اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی و علاتی یا اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کی پردوں کی باتوں سے ناواقف ہیں (مراد غیر مراحق ہیں)

یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا ہے اور چہرے کا پردہ بھی شامل کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتوں کا اللہ بھلا کرے جب مندرجہ بالا آیت کا نزول ہوا اور ان تک پہنچی تو انھوں نے اپنی چادروں کے دو ٹکڑے کئے اور ڈوپٹہ بنا لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس طرح حاضر ہونے لگیں گویا سیاہ لبادہ ہو۔

حضرات اسلام نام ہے ایسے مذہب کا جو طہارت و پاکیزگی کا نمونہ پیش کرتا ہے جو ضمائر قلوب سے شرک کی آلائشوں کو پاک کرتا ہے، جو بُرے اور گندے خیالات و تصورات کا قلع قمع کرتا ہے، جو معاشرے سے غلط عادات واطوار کی بیخ کنی کرتا ہے جو پوری دنیا سے شر و فساد اور ظلم کا خاتمہ چاہتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات نہ تو بیڑیوں کا نام ہے نہ ہی ناقابل برداشت ذمہ داریوں کا نام ہے جو نفس کے لئے بارگراں بن جائیں، نہ تو وہ ایسی بندشوں اور پابندیوں کا نام ہے جو عروج واقبال کا راستہ روکیں۔ وہ نظافت وپاکیزگی ترقی واقبال مندی اور صلاح وتقویٰ کا نام ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں،

حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھیں۔ اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تام فرما دیں تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (المائدہ ۶)

اگر آپ ان پاک باز اور پاک طینت مسلم خواتین جو واقعی اسلام سے وابستہ ہیں اور کافر عورتوں کا تقابلی مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ مسلم خواتین دوسری عورتوں سے مقابلہ میں بدرجہا بہتر و غنیمت ہیں۔ خصوصیت سے ہمارا اپنا ملک سعودی عرب ان سب ہی پر فائق ہے جہاں شاذ و نادر ہی بعض ایسے واقعات رونما ہو جاتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ پردہ کی سختی سے پابندی اور غیر محرم مرد و زن کے عدم اختلاط سے اس طرح کے واقعات کی حیثیت نادر مثال کی سی ہے۔

اسلام مسلم عورت کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ وہ علوم شرعیہ سے واقف ہوں تاکہ معرفت و قربت خداوندی کا ذریعہ بنیں۔ نیز اس نے ہر قسم کے ہنر، پیشہ اور دستکاریوں کا سیکھنا مباح قرار دیا جن سے وہ اپنے گھر کی خدمت کر سکتی ہوں یا جن کی ضرورت معاشرہ کو پڑ سکتی ہو۔ بشرطیکہ یہ چیزیں بے پردگی اور اخلاقی انارکی کا راستہ نہ دکھائیں، اختلاط کے دروازے نہ کھولیں اور اجنبی مردوں سے خلاملا نہ ہونے پائے۔ کیونکہ یہ مسلم قاعدہ کلیہ ہے "حصول مصالح سے پہلے برائیوں کا قلع قمع ہو جائے" کہ پھر ایک مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اپنی دنیا کو نظر انداز کر دے یا اسے بھینٹ چڑھا دے لیکن اپنے دین کو دنیا کمانے کے لئے قربان نہ کرے۔ اگر مسلمانوں نے دین بیچ کر دنیاوی عزو شرف حاصل کر لیا تو دنیا و آخرت دونوں ہاتھ سے گئی۔ لیکن اگر دین کی حفاظت کر لی تو دنیا و آخرت دونوں کی حفاظت کر لی (کیونکہ آخرت (دین) کی مثال پرند کی سی ہے اور دنیا کی سائے کی سی جس طرح کوئی پرند کو پکڑنا چاہے اور بجائے پرند کو پکڑنے کے بجائے پرند کے سائے کو پکڑنے لگے تو نہ پرند ہاتھ آئے گا اور نہ سایہ۔ اسی طرح دین کو اختیار کر لینے سے انشاء اللہ دنیا سے بھی محرومی نہ ہو گی قرآن و حدیث ایسی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں) لہذا اسلامی معاشرے کو اس حقیقت کی طرف دھیان دینا چاہیئے اور زندگی کے چھوٹے بڑے تمام معاملات میں اسلامی احکام کی پابندی کرنی چاہیئے، خصوصاً عورت کے مسئلہ پر جو بڑا ہی نازک اور اہم مسئلہ ہے اسی طرح سے عورت کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے جسے اپنی گھریلو اور خاندانی زندگی میں برت سکے۔ اور صحبت یارانہ کے پُر فریب لغزشوں سے اپنے کو دور رکھ کر بے پردگی کے دہشت ناک گڑھے میں گرنے سے بچ سکے، اللہ تعالیٰ نے پردہ کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا:۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اور مسلمانو تم سے ان احکام میں جو کوتاہی ہو گئی ہو تو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (النور ۳۱)

کسی بھی مسلمان کے لئے اس کے دین و مذہب کے بعد عزت و ناموس سے بڑھ کر کوئی قیمتی متاع نہیں ہو سکتی۔ اس کی عزت جان و مال ہر چیز پر مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فساق و فجار کو عزت و ناموس کی

خاص جان دینے والے عفیف و پاکباز مسلمانوں کی روش ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ وَاَنَّ اَکۡثَرَکُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝
(المائدۃ ۵۹)

آپ کہئے کہ اے اہل کتاب تم ہم میں کون سی بات معیوب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے۔ اور اس پر جو پہلے بھیجی جا چکی ہے باوجود اس کے کہ تم میں اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں۔

نیز قوم لوط کے بارے میں فرمایا :۔

اَخۡرِجُوۡۤا اٰلَ لُوۡطٍ مِّنۡ قَرۡیَتِکُمۡ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوۡنَ ۝

لوط کے لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک وصاف بنتے ہیں۔

اے مسلمان بہنو! برائیوں کی صدائیں بلند کرنے والے اور والیوں کی ملمع سازیوں سے اپنی آنکھیں خیرہ نہ ہونے دو۔ بے پردگی اور بے حیائی کو دلکش و دلربا انداز میں پیش کرنے والوں پر کان نہ دھرو۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں کہ کوئی دوسرا ہمیں عورتوں کے حقوق کا سبق پڑھائے۔ اسلام نے ہر طرح کے حقوق واضح انداز میں بتلا دیئے ہیں۔

اے مسلمان بھائیو! تمھارے کاندھوں پر عورتوں کی عظیم ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ لہذا تم انھیں لغزشوں اور فتنوں سے دور رکھو۔ تم بے حیائی اور بے غیرتی کے خلاف اعلان جنگ کر دو۔ تم اپنی رعایا اور ماتحت لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے بچاؤ۔ انھیں قرآنی تعلیمات اور سنتِ رسول کے راستوں پر گامزن کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم کو بھی اس کے برابر اجر ملے گا۔ اور ان کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔ اگر تم نے اس میں کوتاہی برتی تساہل سے کام لیا، ان کو نافرمانیوں کے گرداب میں چھوڑ دیا تو تم سے قیامت میں بازپرس ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔

تم سب کے سب چرواہے (نگراں) ہو اور سب سے ان کی اپنی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی۔

نقد و تبصرہ

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے)

نام کتاب۔ معرفت الٰہیہ (اول، دوم) کامل افادات۔ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ۔

مرتبہ۔ جناب مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ۔

سائز۔ ۲۳×۳۶/۸ کل صفحات ۶۲۴ قیمت۔ مجلد مع پلاسٹک کور -/۵۰ روپے۔

ناشر۔ کتب خانہ مظہری۔ گلشن اقبال ۲ کراچی۔

حضرت حکیم الامت، مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کو اللہ تعالےٰ نے علم وعمل کا جامع بنایا تھا۔ آپ نے امت مسلمہ کی ہدایت و رہنمائی کے لئے جہاں سینکڑوں کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ وہیں خلفاء کی ایک بڑی جماعت بھی تیار کر دی، خلفاء حکیم الامت نے برصغیر ہند و پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیل کر اسلام کو عام کیا۔ اور بے شمار گمراہ اور بے دین لوگوں کو راہ راست دکھائی اور انہیں اپنے رنگ میں ایسا رنگ دیا کہ بے نمازی تہجد گزار بن گئے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں بلند پایہ اور عالی مرتبہ ہستی شیخ طریقت، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری نور اللہ مرقدہ کی تھی۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے زبان کی تاثیر عطا فرمائی تھی۔ آپ کے اندر ... مسلم کی اصلاح کا جذبہ بے پناہ تھا۔ آپ جو کچھ بھی فرماتے درد اور محبت کی زبان سے فرماتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے دل کی گہرائی سے نکل کر بات دوسرے کے دل کی گہرائی میں پیوست ہو جاتی اور آپکی مجلس میں شریک ہونے والا ہر شخص اٹھتے وقت عمل کا شوق اور جذبہ لے کر اٹھتا اور چند دن کی صحبت سے باعمل اور پاکیزہ اخلاق بن جاتا۔

حضرت پھولپوریؒ اپنی زبان سے جو کچھ ارشاد فرماتے وہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم قلمبند فرما لیتے اور اس طرح آپ کا فیض عام ہو گیا۔ ایک موقعہ پر حضرت نے حکیم صاحب کی بابت ارشاد فرمایا۔

"اختر میرے غامض اور دقیق مضامین کو خوب سمجھ لیتا ہے۔ اور انہیں محفوظ کر لیتا ہے۔ ماشاء اللہ دین کے فہم ہے۔"

زیرِ تبصرہ کتاب بھی اسی طرح کا شاہکار ہے یہ کتاب اگرچہ مختلف مجالس کے مضامین پر مشتمل ہے لیکن ایسی مرتب اور منظم ہے کہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ مضامین متفرق مجالس کے ارشاد فرمودہ ہیں۔ یہ سب حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کتاب کی بابت ارشاد فرمایا کہ :۔

"میری کتاب "معرفت الٰہیہ" کو سبقاً سبقاً ہر روز مطالعہ میں رکھیں۔ بالخصوص جلد ثانی کہ اس میں خشیت وعظمت الٰہیہ نیز عارفین کی عبدیت وفنائیت کے مضامین بہت کافی ووافی حق تعالےٰ نے اپنی رحمت سے جمع کرا دیئے ہیں۔"

کتاب بہت دلچسپ اور عمدہ مضامین پر مشتمل ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ اور کاغذ سفید استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ حضرت شاہ صاحبؒ مرتب وناشر سب کو دارین کی سعادتوں سے نوازے اور آخرت کے بلند مراتب عطا فرمائے کتاب کو مسلمانوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ اس کے مطالعہ کی ہر مسلمان سے پرزور اپیل کی جاتی ہے۔ (ا۔ا۔ح۔س)

نام کتاب "تمام اقوام عالم کو دعوتِ فکر"۔ تالیف۔ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری۔
سائز۔ $\frac{23 \times 18}{8}$ کل صفحات ۶۴ قیمت۔ ۷/۵۰ روپے
ناشر۔ ملک سنز تاجران وناشران کتب۔ کارخانہ بازار۔ فیصل آباد۔

اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کی جملہ تعلیمات عقل صحیح کے عین مطابق اور دورِ جدید کی مشکلات کا مکمل حل ہیں۔ اور یہ دین قیامت تک جاری رہنے والا ہے۔ اسلام سے قبل جتنے بھی خدائی مذاہب تھے وہ سب مٹ گئے۔ ان کی تعلیمات فنا ہوگئیں! اور ان کے ماننے والے چند خود ساختہ باتوں کے پابند بن گئے! اس کے علاوہ جو غیر الہامی مذاہب ہیں ان کی تعداد تو بے شمار ہے۔ ان کی تعلیمات عقل ونقل اور اصول وقوانین سے بالکل فروتر ہیں۔

آج کا دور عقل وبصیرت، سائنس وایجادات کا دور ہے۔ ہر شخص کو سوچنے اور غور کرنے کی آزادی ہے۔ اچھی بری بات کو پرکھنے اور سمجھنے کے لئے حالات سازگار ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ مذہب کے معاملے میں سب اندھے بنے ہوئے ہیں۔ اور تقلید آبا کے سبب یا معاشرتی ڈر خوف کی وجہ سے غلط اور لغو باتوں سے دور ہٹ کر سچے مذہب کے اختیار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری مقیم مدینہ منورہ کو اللہ تعالےٰ نے دین کا صحیح درد اور عالم انسانیت کی ہمدردی کا سچا جذبہ مرحمت فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین ومذہب کی خدمات کے ساتھ ساتھ عالم کے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے بھی ان کے دل میں وسیع ہمدردی کا جذبہ موجزن ہے۔ اور آپ اقوام عالم کی فلاح ونجات کے خواہشمند ہیں۔

اس مختصر رسالہ میں تمام عالم کے انسانوں کو مخاطب فرما کر توجہ دلائی ہے کہ شرک وکفر سب سے بڑا اندھیرا ہے۔ جس کے سبب سچی راہ سجھائی نہیں دیتی اور سچا راستہ نظر نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم اللہ تعالےٰ کی سچی اور مکمل کتاب ہے۔ جس میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس کے مطالعہ سے حق وصداقت واضح ہو جائے گی۔

درحقیقت کامیابی مال ودولت کی فراوانی اور بہتات کا نام نہیں ہے بلکہ خدا کی رضا اور خوشنودی کا حصول کامیابی ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن ہر اعتبار سے جامع اور اسلامی دعوت کا بہترین نمونہ ہے۔ ہر مسلمان اس مختصر رسالہ کا خود بھی مطالعہ کرے۔ اور اسی کتابچہ کو اپنی دعوت کا محور بنا کر دینی کام کا سلسلہ آگے بڑھائے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ غیر مسلم

اقوام میں اس کو پھیلائیں۔ دوست، پڑوسی، استاد، شاگرد کی خدمت میں تحفۃً پیش کریں۔ انشاء اللہ اس کا مطالعہ غیر مسلموں کے ذہن ودماغ کے دریچے کھول دے گا اور مسلمانوں کو اس کا مطالعہ ایمان ویقین میں مزید پختگی کا ذریعہ ہے گا۔

ناشر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کو اچھے کاغذ اور اچھی کتابت کے ساتھ شائع کیا۔ اگر وہ دیگر عالمی زبانوں میں اس کا ترجمہ کرا کے شائع کریں تو مزید اس کا فائدہ عام ہو جائے۔

اللہ تعالےٰ حضرت مولانا موصوف مدظلہ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے۔ اور ان کو زیادہ سے زیادہ دین اسلام کی خدمت کا موقع عطا فرمائے۔ اور دنیا و آخرت میں بے شمار اجر وثواب سے نوازے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین (ا۔ا۔خ۔س)

شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے۔ اور اپنی شرم وآبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار رہے تو پھر (اسے حق ہے کہ) جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو"

تشریح:

اس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت کو نماز، روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسی کہ ان ارکان وفرائض کی۔

ایک بندہ خدا

ایک ضروری وضاحت

سیدی و مرشدی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ان کی اخبار میں شائع شدہ تصویر جو نہ جانے اخبار نے کہاں سے کس طرح حاصل کی ہے، اس کے متعلق جو بات میری طرف منسوب کی گئی ہے، درست نہیں، جاندار کی تصویر بہر حال حرام ہے، اسے بلا ضرورت دیکھنا، یا تبرکاً اپنے پاس رکھنا بھی ہرگز جائز نہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب عارفی رحمۃ اللہ کی تصویر کے متعلق بھی شرعی حکم یہی ہے، میں نے اسکے خلاف کوئی فتویٰ تحریری یا زبانی نہیں دیا، تصویر کے متعلق میرا فتویٰ بھی وہی ہے جو بہشتی زیور، اور حضرت والد ماجدؒ کی کتاب "تصویر کے شرعی احکام" میں تحریر ہے۔

ایک خاتون نے ٹیلیفون پر میری اہلیہ کے ذریعہ مجھ سے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی شائع شدہ تصویر کے متعلق ضرور پوچھا تھا جس کا جواب میں نے ان کو بالواسطہ زبانی دیدیا تھا، واسطہ در واسطہ بات ہونے کی وجہ سے انہیں شاید مغالطہ ہوگیا، بہر حال احقر کی اس تحریر کے بعد اس مسئلہ میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہنا چاہیئے۔ والسلام۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
مفتی و صدر دارالعلوم کراچی ۱۴۱

۲۳/۸/۱۴۰۶ھ